حضرت سچل سرمست رح

عظیم شاعر و مفکر

مرتب

ڈاکٹر نواز علی شوق

محکمۂ ثقافت حکومتِ سندھ

kaptan abro

حضرت سچل سرمستؒ

عظیم شاعر و مفکر

مرتب

ڈاکٹر نواز علی شوق

محکمہء ثقافت، حکومتِ سندھ

کتاب کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

کتاب کا نام: حضرت سچل سرمست ؒعظیم شاعر و مفکر
مرتب: ڈاکٹر نواز علی شوق
طبع اوّل: جولائی، 2012ء
تعداد: 1000
کمپوزنگ: محمد اقبال / سارنگ امداد
ٹائیٹل: کپتان ابڑو
پرنٹنگ: پی کاک پرنٹرز، کراچی۔ فون: 021-35213829
ناشر: محکمہ ءثقافت حکومتِ سندھ
قیمت: 250روپے

Title of Book : Hazrat Sachal Sarmast Azeem Shair wo Mufakir
(Hazrat Sachal Sarmast Great Poet & Thinker)
Compiled by: Dr. Nawaz Ali Shouq
Edition First : July, 2012
Quantity: One Thousand Copies
Composed by: Muhammad Iqbal / S. M. Imdad
Lay Out: Zafar Aftab
Printed by : Peacock Printers, Karachi. 021-35213829
Published by : Culture Department, Government of Sindh
Price : Rs. 250/-

ملنے کا پتا:
کلچر کتاب گھر: نزد MPA ہاسٹل،
سر غلام حسین ہدایت اللہ روڈ کراچی پر دستیاب ہے۔
فون نمبر: 021-99206144-99206073

پاران ایم ایچ پنهور انسٹیٹیوٽ آف سنڌ اسٽڊيز، ڄامشورو۔
Digitized by M. H. Panhwar Institute of Sindh Studies, Jamshoro.

فہرست

1	پبلشر نوٹ	عبدالعزیز عقیلی	5
2	حرفِ اوّل	ڈاکٹر نواز علی شوق	7
3	مقدمہ	ڈاکٹر نواز علی شوق	9
4	سچلؒ، تاریخ، تصوف اور شعر	پروفیسر کرار حسین	22
5	سچل سرمستؒ کی اردو اور فارسی شاعری	نسیم امروہوی	29
6	شاعر حق نوا، حضرت سرمستؒ	پروفیسر آفاق صدیقی	44
7	حضرت سچل سرمستؒ بحیثیت سرائیکی صوفی شاعر	جاوید احسن	58
8	سچل سرمستؒ	ڈاکٹر ممتاز حسین پٹھان	68
9	سندھ کے سرمستؒ	شیخ عبدالرزاق 'راز'	74
10	سچلؒ وحدت کے پیامبر	شفیع احمد علوی	80
11	سچلؒ کا اردو کلام	احسان احمد بدوی	86
12	سچل سرمستؒ کی سرائیکی شاعری	صدیق طاہر	93
13	سچل سرمستؒ کی مثنوی وحدت نامہ کا اجمالی جائزہ	پروفیسر ابراہیم خلیل	98
14	سچلؒ عظیم شاعر و مفکر	قاضی علی اکبر درازی	106
15	سچلؒ کا مسلک	شمشیر الحیدری	116

پبلشر نوٹ

سندھ کے صوفی بزرگ حضرت سچل سرمست ایک بسیار گو شاعر تھے۔ ان کے کلام پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو گا کہ آپ کا کلام نہ صرف تعداد کے لحاظ سے سندھ کے دیگر شعراء سے زیادہ ہے، بلکہ اصناف کے لحاظ سے بھی ان کی سندھی اور سرائیکی شاعری افضل و اعلیٰ ہے۔

سچل سرمست نہ صرف موسیقی سے شغف رکھتے تھے۔ بلکہ وہ اس فن کے ماہر تھے۔ اور وجد میں آکر اپنا کلام گاتے تھے۔ ویسے تو تمام اصناف میں ان کا کلام قابلِ تعریف ہے لیکن ان کی سندھی و سرائیکی کافی کی مثال ملنا مشکل ہے۔ بیشک وہ کافی کے شہنشاہ تھے۔ آج بھی ان کی کافیاں سُن کر سامعین وجد میں آجاتے ہیں۔

سچل سرمست کی شاعری زمان و مکان سے بالاتر ہے۔ در حقیقت وہ ایک بین الاقوامی رہبر ہیں۔ انہوں نے مذہب و ملت، ملک اور زبان کی حدود سے آگے بڑھ کر ایک ھمہ گیر تعلیم کا درس دیا۔ جس کی ہر ملک و قوم کو ہر دور اور ہر زمانے میں ضرورت پیش آتی رہے گی۔ کیوں کہ سچل سرمست کا نظریہ عالمی امن اور بھائی چارہ ہے۔

سچل سرمست نے اپنے دور میں جو امن اور انسان دوستی کا پیغام دیا وہ موجودہ دور کی بھی اہم ضرورت ہے۔ وقت کی اس اہم ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے محکمہء

ثقافت حکومت سندھ گذشتہ چند برسوں سے قومی ادبی کانفرنسیں منعقد کر رہا ہے۔ جس میں ملک کے مشہور اسکالر شریک ہوتے رہے ہیں۔ اس کے ساتھ محکمے نے سچل سرمست کی سوانح اور کلام پر اشاعتی سلسلے کا آغاز کیا ہے۔ سچل سرمست کے اوّلین شارح مرزا علی قلی بیگ نے سچل سرمست کا مجموعہ کلام دو جلدوں میں سنہ 1901ء اور 1902ء میں شایع کیا، جو سچل سرمست کی سوانح اور کلام کا بنیادی ماخذ ہے۔ یہ بنیادی ماخذ ایک صدی سے ناپید تھا جو محکمہء ثقافت نے 2008ء میں شایع کروایا۔ اس کے بعد محکمے کی طرف سے سندھی، اردو اور انگریزی میں کتب شایع ہوتی رہی ہیں۔

ڈاکٹر نواز علی شوق سندھ کے معروف ادیب ہیں، جن کو سچل شناسی میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ سچل سرمست کی سوانح اور شاعری پر ان کی سات کتابیں شایع ہو چکی ہیں۔ ان کی یہ کتاب مقالات پر مشتمل ہے، جو انہوں نے بڑی محنت اور محبت سے مرتب کی ہے۔ اس کتاب کے مقالہ نگار پاکستان کے مشہور و معروف دانشور ہیں۔ ان کے مقالات کا یہ مجموعہ محکمہء ثقافت نے شایع کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ کتاب سچل سرمست پر تحقیق کرنے والوں کے لئے معاون و مددگار ثابت ہوگی۔

25 جولائی، 2012ء
کراچی سندھ

عبدالعزیز عقیلی
سیکریٹری
محکمہء ثقافت، حکومت سندھ

حرفِ اوّل

حضرت شاہ عبداللطیف کے بعد سچل سرمست سندھ کے بڑے صوفی بزرگ و شاعر مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے عربی و فارسی کی تعلیم مشہور عالم صوفی بزرگ و شاعر عبداللہ قریشی سے حاصل کی۔ تصوف کے راز و رموز اپنے مرشد عبدالحق سے سیکھے، جو ان کے چچا اور سُسر تھے۔

سچل سائیں نے مشہور صوفی بزرگوں رومی، عطار، بایزید، جُنید، احمد جام، منصور حلاج، ابن العربی اور دیگر صوفی بزرگوں کی فکر کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ خاص طور پر ان کے کلام میں عطار اور منصُور کا گہرا اثر نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں سندھ کا عطار اور منصور ثانی کہا جاتا ہے۔ وہ انہی بزرگوں کی طرح وحدت الوجود کے پیروکار تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں اسی نظریے کی تشریح و تبلیغ کی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سچل سرمست انسانی عظمت کے شاعر تھے۔ اپنی شاعری کے ذریعے انہوں نے انسان کو اس کی عظمت کا درس دیا ہے تاکہ وہ صحیح معنوں میں اپنے آپ کو خالق کائنات کا خلیفہ ہونے کا اہل ثابت کر سکے۔ سچل سائیں کی فکر انسانیت کی فکر ہے۔ اگر اس فکر کی ترویج نہیں کی گئی تو بنی نوع انسان کا بڑا نقصان ہو گا۔

انتہائی خوشی کی بات ہے کہ جب سے محترمہ سسئی پلیجو صاحبہ نے محکمہء ثقافت حکومت سندھ کی باگ ڈور سنبھالی ہے، اس محکمے میں ہر لحاظ سے ایک انقلاب آ گیا ہے۔ ان

سے قبل اس محکمے نے سچل سرمست جیسے عظیم صوفی بزرگ و شاعر کو بھلا دیا تھا۔ اور اس سے قبل محکمہء ثقافت نے نام کو بھی کوئی کتاب شایع نہ کی تھی۔ لیکن محترمہ سسئی پلیجو صاحبہ نے آتے ہی مرزا علی قلی بیگ کی مرتب شدہ کتاب "رسالو میاں سچل فقیر جو" کا ایک نیا خوبصورت ایڈیشن شایع کروایا، جو ایک صدی سے ناپید تھا۔ اسی سال سے انہی کی کوششوں سے نہ صرف سچل قومی کانفرنس کا انعقاد ہوا بلکہ سچل سرمست کی فکر و فن پر کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ جو اب تک جاری ہے۔ کئی یادگار کانفرنسیں منعقد ہوئی ہیں اور بہت سی شاندار کتابیں شایع ہوئی ہیں۔ یہ کتاب بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

میں محترمہ سسئی پلیجو صاحبہ وزیر ثقافت حکومت سندھ، محترم عبدالعزیز عقیلی صاحب سیکریٹری ثقافت، محترم رفیق احمد بُرڑو صاحب ڈی-جی محکمہ ثقافت اور ڈاکٹر محمد علی مانجھی صاحب ڈائریکٹر محکمہ ثقافت کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے میری یہ کتاب شایع کی۔

کراچی 25 جولائی 2012ء

ڈاکٹر نواز علی شوق

مقدمہ

ڈاکٹر نواز علی شوق

اہل نظر اہل دل اہل اللہ نے ہر دور اور ہر زمانے میں جہانِ تازہ کی تخلیق کی ہے۔ کہیں اپنے افکار و خیالات سے کہیں اپنے نغمہء عشق و مستی سے اور کہیں اپنے عمل سے تازہ بستیاں آباد کی ہیں۔

جاں نثاروں نے تیرے کر دئے جنگل آباد

اہل اللہ نے شہر کے ہنگاموں اور شور و شغب سے ہٹ کر اپنے ذکر و فکر کے لئے خلوت نشینی اختیار کی لیکن ان کی خانقاہیں اور عبادت گاہیں دیکھتے ہی دیکھتے مرجع خاص و عام بن گئیں اور شہروں کی رونق ان خانقاہوں اور مختصر آبادیوں میں سمٹ آئی۔ بالائی سندھ میں بھی ایک ایسی ہی بستی ہے۔ آبادی کے ہنگاموں سے دور، شہر کے شور و غل سے پاک، ٹھنڈی پر سکون فضا لہلہاتے ہوئے کھیت اور روحانی عظمت کے ماحول میں ڈوبی ہوئی اس بستی کا نام "درازا" ہے، جسے آج سے دو سو برس پہلے ایک عارف کامل مرد حق آگاہ مغنیء آتش نفس اور انسان دوست صوفی سچل سائیں نے آباد کیا تھا۔ جس کے متعلق آپ نے فرمایا ہے۔

دیس سچل دا ڈرس درازا مکہ ناملتان

حضرت سچل سرمست کا اسم گرامی عبدالوہاب تھا ان کے والد کا نام صلاح

الدین اور دادا کا نام صاحب ڈنہ تھا، آپ کا شجرۂ نسب حضرت عمر ابن الخطاب سے جا ملتا ہے۔ فاروقی خاندان کے ایک بزرگ شیخ شہاب الدین تبلیغ کے سلسلہ میں سندھ آئے اور سہون شریف میں سکونت اختیار کی۔ شیخ شہاب الدین نے سندھ کے عوام کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات قائم کئے اور آپ کے اخلاق اعلیٰ کی شہرت دور دور تک جا پہنچی۔

محمد بن قاسم نے جب سندھ فتح کیا تو شیخ شہاب الدین وہاں کے گورنر مقرر ہوئے۔ آپ اپنے دور کے ایک بڑے مدبر عالم فاضل تھے۔ آپ کی وفات سنہ 95 ہجری میں ہوئی اور سہون شریف میں مدفون ہوئے۔

شیخ شہاب الدین کی وفات کے بعد ان کے فرزند شیخ محمد فاروق ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ جن کا انتقال 124 ہجری میں ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند شیخ اسحاق جانشین ہوئے۔ شیخ اسحاق نے 193 ہجری میں وفات پائی اس کے بعد ان کے صاحب زادے محمد ان کے جانشین ہوئے۔ انہی ایام میں سلطان محمود غزنوی نے سندھ فتح کیا اور شیخ محمد کے لئے سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ شیخ محمد کا انتقال 221 ہجری میں ہوا۔ ان کی اولاد سے مخدوم نور الدین بڑے مشہور بزرگ تھے۔

مخدوم نورالدین نے 21 رمضان 464 ہجری میں وفات پائی ان کے چار فرزند تھے۔ 1۔ ابوسعید، 2۔ بدرالدین، 3۔ رکن الدین، 4۔ ضیاء الدین۔ ان میں سے دو بھائی مخدوم ابوسعید اور مخدوم بدر الدین سہون سے ہجرت کر کے موجودہ خیر پور ضلع کی ایک بستی گاگڑی کے گردونواح میں آکر آباد ہوئے۔ یہ دونوں بھائی اس دور کے مشہور بزرگ مخدوم جمار رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔ مخدوم جمار رحمتہ اللہ علیہ، مخدوم غوث بہاؤالدین ذکریا رحمتہ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ مخدوم جمار بڑے عالم، متقی، صاحب ولایت و کرامت مرجع الخلائق اور مستجاب الدعوات تھے۔ ان کا مزار رانی پور ضلع خیر پور کے جنوب میں گڈیجی میں واقع ہے۔

مخدوم ابوسعید اور مخدوم بدرالدین نے بڑی عبادت اور ریاضت کی۔ مخدوم بہاؤالدین ذکریا رحمتہ اللہ علیہ جب اپنے مرید مخدوم جمار رحمتہ اللہ علیہ کی دعوت پر گڈیجی تشریف لائے تو ان دونوں بھائیوں کی یہ حالت دیکھی کے وہ جنگلی گھاس کے اناج پر گزر

اوقات کر رہے تھے۔ جس کو سندھی زبان میں "ڈوتھی" کہا جاتا ہے۔ ڈوتھی کے معنی ہیں ڈتھ (جنگلی گھاس کے اناج) پر گزارا کرنے والے۔

مخدوم ابوسعید کا مزار قصبہ موسیجی کے قریب رانی پور کے مغرب میں ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ مخدوم ابوسعید کی اولاد "موسیجی" سے ہجرت کر کے رانی پور میں آباد ہوئی۔ ان میں مخدوم محمد شریف بڑے عالم محدث صاحب کشف و کرامات اور بلند پایہء کے شاعر تھے۔

مخدوم ابوسعید کی نویں پشت سے خواجہ محمد حافظ عرف میاں صاحب ڈنہ نے درازا میں سکونت اختیار کی۔ فاروقی خاندان کے ایک چشم و چراغ میاں احمد نامی سرکاری ملازم تھے۔ ان کی فرض شناسی اور ایمانداری کے سبب گمبٹ اور رانی پور کے درمیان والی اراضی انہیں بطور جاگیر عطا ہوئی۔

فاروقیوں نے وہ زمین اپنے دو نمک حلال ملازمین دراز اور کاجن کو آبادی کے لئے دے دی۔ انہوں نے اس زمین پر اپنے رشتہ داروں کے ساتھ گاؤں آباد کیئے۔ جو درازا اور کاجن کے نام سے مشہور ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد کاجن گاؤں ویران ہو گیا، لیکن درازا کی عمر ہمیشہ دراز ہے۔

حضرت سچل سرمست کی ولادت باسعادت سنہ 1152 ہجری بمطابق 1739ء میں ہوئی۔ وہ خواجہ محمد حافظ کے بڑے فرزند میاں صلاح الدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ آپ کا نام ان کے پردادا کے نام کی مناسبت سے عبدالوہاب رکھا گیا۔ مگر اپنی سچائی کے سبب وہ سچل، سچے ڈنہ اور سچو کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے چچا اور مرشد میاں عبدالحق انہیں اس نام سے پکارتے تھے۔ حضرت سچل سرمست نے سندھی، سرائکی خواہ اردو کلام میں یہ نام بطور تخلص استعمال کیا ہے۔ مگر فارسی میں ان کا تخلص "آشکار" اور "خدائی" تھا۔ آپ کا وصال 14 رمضان المبارک 1242 ہجری بمطابق 1826 میں ہوا آپ کا مزار "درازا" میں ہے۔ جہاں ہر سال 14 رمضان المبارک میلہ لگتا ہے۔

سچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ کی مادری زبان سندھی تھی۔ لیکن خیرپور کے تالپور حکمرانوں اور دیگر بلوچ قبائل کی مادری زبان سرائکی تھی۔ شمالی سندھ کی سرائکی زبان کا

پنجاب کی سرائکی زبان سے گہرا رشتہ ہے۔ دونوں زبانوں میں فقط لہجے کا تھوڑا سا فرق ہے۔

سچل سرمست کو سرائکی زبان پر عبور حاصل تھا۔ ان کی سرائکی شاعری اعلیٰ پایہ کی ہے۔ سرائکی کے مشہور صوفی شاعر اور بزرگ خواجہ غلام فرید بھی سچل سائیں سے متاثر تھے۔ حکیم محمد صادق رانی پوری نے اپنی کتاب "سچل جو سرائکی کلام" میں لکھا ہے۔

"یہ ایک حقیقت ہے کہ خواجہ غلام فرید کو منصور سندھ حضرت سچل سرمست کا کلام وجد میں لاتا تھا۔ ان کے خاص خلیفہ نواب قیصر خان مگسی والی ریاست جھالاوان (بلوچستان) اپنے ساتھ سندھ کے وہ موسیقار چاچڑان شریف لایا کرتے تھے، جو سچل سرمست کا کلام گا کر سناتے تھے۔"

سچل سرمست اپنے اشعار کے آئینے میں اپنے خیالات کو منصور کے وجدانی جذبات سے ہم آہنگ کرتے ہیں وہ منصور سے بیحد متاثر تھے اور انہوں نے سندھ میں منصور کی فکر کی سندھی، سرائکی، اردو اور فارسی میں تشریح کی۔ اس لئے انہیں منصور آخر زماں کہا جاتا ہے۔

انہوں نے خود یہ دعویٰ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

میزنم نعرۂ اناالحق آشکار
اندریں آخر زمان منصور وار
نوبتِ آن بادشاہی می زنم
شہر یارم شہریارم شہریار

مثنوی گدازنامہ میں فرماتے ہیں۔

خواجہء منصور شاہِ عاشقان
قدر او دانند جملہ عارفان
خویش را در عشق بردار آورید
از جماعت عاشقان او سرکشید
کرد عریان در جہان شمشیر عشق
اندریں کونین کردہ سیر عشق

ترجمہ:

عاشقوں کا شاہ وہ منصور تھا
عارفوں کو بھی وہی منظور تھا
عشق کی سُولی پہ عاشق چڑھ گیا
عاشقوں کی صف سے آگے بڑھ گیا
سیر سلطانی وہ سب کرتا رہا
عشق کی تلوار کو لیکر پھرا

سچل سرمست کے پیر و مرشد ان کے چچا خواجہ عبدالحق تھے۔ انہوں نے اپنے کلام میں اپنے پیر و مرشد کی بہت تعریف کی ہے۔ وہ مولانا رومی و جامی کے صوفیانہ انداز سے بھی بلند ہو کر اپنے پیر کی تابعداری کا درس دیتے ہیں۔

ای دلا! خوشبو ز شہہ عطار در جانم رسید
آں زمان یک بارگی از کفر و دین مارا کشید
چہ جلال الدین چہ جامی غاشیہ بردار اُو
این چنین تعریف من از پیر عبدالحق شنید

سچل سرمست وحدت الوجود کے پیروکار تھے۔ انہوں نے اپنی سندھی، سرائکی اردو اور فارسی شاعری میں اس کی تشریح کی ہے۔ تصوف میں انہیں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے بعد انہیں سندھ کا ممتاز شاعر شمار کیا جاتا ہے۔ شاہ لطیف کی شاعری میں جمال ہے تو سچل سرمست کی شاعری میں جلال ہے۔ وہ جلالی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ سچل سرمست نے بار بار یہ تلقین کی ہے کہ کائنات کی ظاہری کثرت میں بنیادی وحدت کار فرما ہے اور بنی نوع انسان کے رنگ اور روپ کی کثرت بھی اسی وحدت میں سماجاتی ہے۔ اس لحاظ سے لوگوں میں ذات پات، اونچ نیچ، فرقہ، طبقہ اور عقیدت کی موجودگی کو بھی کوئی وقعت نہیں ہے۔ یعنی سب انسان برابر ہیں۔ لہر اور بحر کی اصلیت ایک ہی ہے۔ فرماتے ہیں۔

نیست جز دریا روان چیزی دگر
موج در موج می آرد بسر

ایک سندھی شعر میں فرمایا ہے۔

توجا پاڻي موج، سامڑيائي مهراڻ ٿي
یعنی تم جس کو موج سمجھ رہے ہو وہ خود مہران (دریا) ہے۔

سچل سرمست کا پیغام آفاقی ہے۔ وہ زمان و مکان کی حدود کا پابند نہیں۔ انہوں نے مذہب و ملت، ملک و وطن اور زبان وغیرہ کی حدود پار کر کے ایک ایسی ہمہ گیر تعلیم کی تبلیغ کی ہے، جس کی دنیا کے ہر ملک اور قوم کو ہر دور میں ہر وقت ضرورت ہے۔ فرماتے ہیں!

نامیں مُلا، نامیں قاضی، نامیں سبق پڑہاواں
نامیں کعبہ، نامیں قبلہ، مکے مُول نہ جاواں
نامیں سُنی، نامیں شیعہ، سید کین سڈاواں
نامیں نانک، نامیں لچھمن، گنگا مول نہ جاواں
یارتہ میڈا دُرس درازی "سچو" نان ءُسڈاواں

یعنی نہ میں ملا ہوں اور نہ قاضی اور نہ میں کسی کو درس دیتا ہوں۔ نہ میں کعبہ ہوں نہ قبلہ اور میں مکے بھی نہیں جاتا۔ نہ میں شیعہ ہوں اور نہ سُنی اور نہ اپنے آپ کو سید کہلواتا ہوں۔ نا تو میں گرو نانک ہوں اور نہ لچھمن، میں گنگا بھی نہیں جاتا، میرا رہبر تو درازی (عبدالحق) ہے اور میں خود "سچو" کے نام سے پکارا جاتا ہوں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سچل سرمست مذہب و عقائد کے قید و بند سے آزاد ہو کر سوچتے تھے۔ وہ انسان دوست صوفی بزرگ تھے۔ انہوں نے اپنی ہستی کو خود میں گم کر دیا تھا اور تمام مقدس مقامات ان کے دل پر نقش ہو چکے تھے۔

سندھ کے جن صوفی شعراء نے وحدت، اور انسان ذات کی عظمت کا درس دیا، ان میں سچل سرمست کا نام نامی نمایاں نظر آتا ہے۔ انہوں نے انسان کو اپنی عظمت، اعلیٰ حیثیت اور حقیقت کی یاد دلائی ہے۔ تاکہ وہ صحیح معنوں میں اپنے آپ کو خالق کائنات کا

خلیفہ ہونے کا اہل ثابت کر سکے۔

سچل سرمست تصوف کے وحدت الوجود کے مسلک سے وابستہ تھے۔ اس مسلک اور نظریہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کا قرب اور روشنی ساری کائنات پر چھائی ہوئی ہے اور خدائی صفات کا مرکز صرف انسان ہے۔ جو احسن تقویم کی تفسیر ہے۔ مسجود ملائکہ ہے ،جس کے اندر اللہ پاک نے اپنی رُوح پھونکی: لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم، نفخت فیہ من روحی کے اشارے انسان کی عظمت کی دلیل ہے۔

سچل سرمست مجسمہ عشق تھے۔ وہ عشق کو عطائے الٰہی سمجھتے تھے فرماتے ہیں۔

عشق عطائے الٰہی ہے - نہیں کوئی کسب کماون دا
ترجمہ: عشق عطائے الاہی ہے- یہ کسب نہیں ہے کمانے کا

سچل سائیں اس عشق سے مست الست ہوئے فرماتے ہیں۔

جنھن دل پیتا عشق دا جام، سا دل مست و مست مدام
ترجمہ: جس نے پیا ہے عشق کا جام-وہ دل مست و مست مدام

بُلھے شاہ نے عشق کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

ایمان سلامت ہر کوئی منگے، عشق سلامت کوئی ھو
جیڑی منزل عشق پُجاوے، ایمان خبر نہ کائی ھو

شاعر مشرق علامہ اقبال نے فرمایا ہے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی

سچل سرمست نے بتایا ہے کہ انسان اپنی نادانی، جہالت اور دوئی کی وجہ سے وحدت کی حقیقت اور اپنی عظمت کو بھلا بیٹھا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ غلامی اور پستی کی زنجیروں میں پھنس کر ذلت کی زندگی گزار رہا ہے۔ حالانکہ اس میں وہ الٰہی اوصاف موجود ہیں جس کی وجہ سے فرشتوں نے اسے سجدہ کیا۔ سچل سائیں فرماتے ہیں۔

يول نہ ٻئي ڪنهن ٻُل، تون تہ آدم نہ آهين
لکيو ٿو لاتيون ڪرين، جيئن باغ اندر بلبل

—

احد منجهان رون عبد سڏايئہ، هيٺن تا پاڻ اصل
سچل چوي سچ ٻئي آٽين، ڪونهي تنهنجو ٽُل

ترجمہ: اے انسان تمہیں یہ حقیقت نہیں بھلانی چاہیئے کہ تم آدم نہیں ہو۔ تم باغ میں بلبل کی طرح چھپ کر بولیاں بول رہے ہو۔ یہ تمہاری مٹی کا پتلا ہی تھا، جس کو فرشتوں نے سجدہ کیا۔ تم احدیت سے ہی عبدیت میں آئے۔ بندہ کہلائے، ورنہ تم تو خود ہی انمول تھے۔ انسان صفاتی صورت میں اس جہاں میں آیا ہے اور وہ اس کائنات میں مظہر ذات الٰہی ہے۔ جو خالق کل پر دلالت کرتا ہے انہوں نے فرمایا ہے:

صورت جو سلطان، پاڻ ڏسڻ آيو پنهنجو تماشو

ترجمہ: در حقیقت انسان خود ہی سلطان ہے اور صرف اپنا تماشا دیکھنے کے لئے انسانی جامہ پہن کر آیا ہے۔

سچل سرمست فرماتے ہیں:

پاڻ سجاڻڻ آيو ڙي، پاڻ سجاڻڻ آيو
ڪم نہ هُيڙس ڪو بيو

ترجمہ: وہ اپنے آپ کو پہچاننے آیا ہے۔ ورنہ ان کو اور کوئی کام نہیں تھا۔

حضرت سچل سرمست اپنے دور کے بے نظیر شاعر تھے اور آپ کے بعد سندھ میں آج تک آپ کے رتبہ کا شاعر پیدا نہیں ہو سکا۔ آپ ایک مجذوب، سالک اور اسرار الاہی کے عارف تھے۔ تصوف کا ایسا کوئی بھی نکتہ نہیں جسے حضرت سچل سرمست نے نمایاں نہ کیا ہو۔

آپ کا فرمان ہے کہ اصل میں دنیا بحر عدم میں گم تھی لیکن جب ذات الٰہی نے

اپنی صفات کے مظاہر کو ظاہر کرنا چاہا تو صرف "کُن" کے اشارے سے یہ کائنات وجود میں آگئی۔ اور یہ ہنگامہ آرائی نیستی سے نکل کر ہستی کے نئے رنگ میں نمایاں ہوئی۔ حضرت سچل سرمست نے یہ مضمون مندرجہ ذیل دو مصرعوں میں یوں ادا کیا ہے۔

ز ناچیز شدیک چیز پیدا
کہ او در ہر دو عالم شد ہویدا

اس کے بعد وادیٔ وحدت میں جب کثرت کی بزم آرائی ہوئی تو اس تمام بزم کا میر مجلس اور روح رواں حضرت انسان کو ہی قرار دیا گیا۔ اور تخلیق کائنات کا تمام راز اس کے سینے میں سمادیا گیا۔ جس کے متعلق حضرت سچل سرمست فرماتے ہیں:

ندیدم سّر از انسان بیروں
ہمہ ملکِ خدا گردیدہ ام من

—

ہے بنائے عشق اصلاً صورتِ انسان ضرور
صورتِ خالق سے ہے تخلیق آدم کا ظہور

ایک سندھی بیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"جزو کل" کوئی نہیں ان سب کی میں آواز ہوں
راز ہے انسان مرا خود بھی اس کا راز ہوں
ایک ہے وہ ایک سچ مچ کیا یہاں اور کیا وہاں
بھول جا تو غیر کو بس یہی سچا بیاں

انسان کو جوہر کائنات اور اشرف المخلوقات بنا کر خدائی کی تمام باگ ڈور اس کے حوالے کر دی گئی: لیکن انسان نے دوسری مخلوق پر حکومت کرنے کے بجائے خود بنی نوع انسان پر حکومت کرنا شروع کی۔ حضرت سچل سرمست انسان کی یہ حالت دیکھ کر ایک ہمدرد ناصح کی صورت میں اسے یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ:

اي ادا سالڪ صحيح ڪر هن طلسمات کي
پڄ دوئي تان ڪل پوئي دور ڪر درجات کي

ترجمہ:

سالک! تو عشق حق کے طلسمات کو سمجھ
رشتہ دوئی کا توڑ کر اِک ذات کو سمجھ

دوئی کا قلعہ مسمار کر کے کثرت کا طلسم توڑنے کے بعد وادیٔ وحدت میں قدم رکھنا پڑتا ہے۔ حضرت سچل سرمست نے ہستیٔ وحدت کو خود اپنے میں دیکھا اور سب کچھ اپنا مظہر تصور کر کے ببانگ دہل فرمایا کہ:

پاڻ پنهنجو پاڻهي، صُورت منجهه سڃاڻ
الله الله ڇو ڇوين، پاڻ ئي الله ڄاڻ
ناهي شڪ گمان، سڃو ساين هيڪڙو

سندھی سے ترجمہ:

آپ ہے تو اور اپنی صورت اپنے میں پہچان
اللہ اللہ کیوں کہتا ہے تو خود کو اللہ جان
سچل ایک ہے سب کا آقا چھوڑ دے وہم و گمان

مذکورہ منزل پر پہنچنے کے لئے انسان کو کسی بھی اکتسابی علم وہنر کی ضرورت نہیں رہتی یہ چیز شیوخ و مشائخ سے حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ امانت صرف عشق الٰہی سے حاصل ہوتی ہے اور نہ علم اکتسابی سے۔

شیوخ و مشائخ کے مکر و فریب کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

شيخ مشائخ ياروا نا مخدوم ٿياسي
نه ڪي ملا، نڪي قاضي نه ڪي پير بڻياسي
سچا ٻاجهون عشق الله جي، ٻيا ڪوئي هنر نه سڪيا سي

ترجمہ:

شیخ بزرگ مشائخ یارو! ہم مخدوم نہیں تھے
قاضی پیر، معلم، ملا، دشمن تھے ہم سب کے
مکر و فریب کی وادی میں ہم قدم نہیں تھے رکھتے

حقیقی عشق الاہی کی راہ میں عقل و اختیار کا کوئی کام نہیں بلکہ وہاں میخانہ محبت سے صرف شرابِ بے خودی کی ضرورت ہے جس کے پینے سے خمارِ وحدت حاصل ہوتا ہے اور اس کی دائمی مستی سے ہی عشق الستی حاصل کر کے اسرار الاہی کا راز حاصل کیا جا سکتا ہے:

مست رهي ميخاني اندر، منگ وتي سي مستي
مستي سان نا سرّ سڃاڻي، تنهن جو ڪم ڪم بختي
ٻيون سڀ ڪوڙيون ڳالهيون سچا، سچو عشق الستي

ترجمہ:

مست رہے میخانے اندر مانگ لی ہم نے مستی
مستی کا جو راز نہ جانے اس کی یہ کم بختی
سچل سب ہیں جھوٹی باتیں، سچا عشق الستی

عشق الاہی حاصل کرنے سے سالک کو اپنی ہستی کی تمام حقیقت معلوم ہو جاتی ہے اور وہ عبدیت کے پردے سے باہر نکل کر "الوہیت" کے رنگ میں رنگا ہوا نظر آتا ہے۔

اس مقام کو حاصل کرنے کے بعد حضرت سچل سرمست نے اپنے وقت کی غلامانہ ذہنیت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی اور علامہ اقبال سے ایک سو سال پہلے "خودی" کا نعرہ بلند کیا تھا۔ آپ کے کلام کی یہ ایک اہم خصوصیت ہے کہ آپ تقلیدی رسم و رواج کے بندھن توڑ کر حقیقی مراحل طے کرنے کی تلقین فرماتے ہیں:

ٻانهون ٻانهءِ مَ ٻاڻ، آهين مالڪ مُلڪ جو
"لا خير في عبدي" اهو اٿئي اهجاڻ
ٻاڻ پنهنجو پاڻهي، صورت منجهه سُجاڻ

ترجمہ:

سارے ملک کا مالک تو ہے عبد نہ خود کو جان
"لاخیر فی عبدی" کا تو سچا سمجھ بیان
اپنے آپ کو تو خود اپنی صورت میں پہچان

سچل نے فرمایا ہے:

توڑ رواج ۽ رسمون ساريون، جي مرد ٿئين مردانو
پاڻ بيگانو مُول نہ ڄاڻين، آهين يار يگانو

ترجمہ:

توڑ رواج اور رسمیں ساری کام ہے یہ مردانہ
خود کو مت بیگانہ سمجھ خود تو ہے یار یگانہ

—

چھوڑ گمان گدائی والا شملہ چا بدہ شاہی دا
مار نقارہ وحدت والا فکر کریں پاتشاہی دا

ترجمہ:

چھوڑ گمان گدائی والا
شملہ باندھ لے شاہی کا
وحدت کا نقارہ بجاتو
شوق ہوگر شاہنشاہی کا

آپ وحدت کا نقارہ بجا کر بڑے وسیع پیمانے پر دنیا کو انسانی برادری کی دعوت دیتے ہیں آپ کی منزل مُلا کے مذہب کے فروعی اور الجھے ہوئے مسائل سے بہت اونچی ہے اور آپ کے یہاں کسی قسم کی گروہ بندی نہیں بلکہ آپ کو ہر صورت میں اپنے محبوب کا مشاہدہ نظر آتا ہے:

بہر حال، حضرت سچل سرمست ایک بے نظیر قومی اور بین الاقوامی صوفی شاعر تھے اور انہوں نے اپنے کلام کے ذریعے انسانی برادری و مساوات کی تبلیغ کی ہے۔ اور ان کا یہ آفاقی پیغام ہر دور میں انسان کی رہنمائی کرتا رہے گا۔

کتابیات

1۔ رسالہ سچل سرمست (حصہ اول) مرزا علی قلی بیگ۔ ہری سنگھ پبلشر سکھر 1901ء

2۔ سچل سرمست جو سندھی کلام، عثمان علی انصاری، سندھی ادبی بورڈ، جام شورو 1982ء

3۔ سچل سرمست جو سرائیکی کلام، مولانا محمد صادق رانپوری، سندھی ادبی بورڈ، جام شورو 1982ء

4۔ سچل سرمست، رشید لاشاری، سلطان حسین اینڈ سنز کراچی 1966ء

5۔ نہیں جانعرا۔ ڈاکٹر عطا محمد حامی، سندھی ادبی بورڈ، جام شورو، 1992ء

6۔ عشق سمندر (سچل سرمست کی فارسی مثنویات کا منظوم اردو ترجمہ) قاضی مقصود گل، سچل چیئر، شاہ لطیف یونیورسٹی خیر پور، 2003ء

7۔ سچل سرمست محبتوں کا پیامبر، ڈاکٹر طاہر تونسوی، سچل چیئر، شاہ لطیف یونیورسٹی خیر پور، 2006ء

سچلؒ، تاریخ، تصوف اور شعر

پروفیسر کرار حُسین

سچلؒ سرمست درازا شریف میں 1739ء میں پیدا ہوئے اور 1826ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ان تاریخوں کی اہمیت کا اندازہ اس طرح کیجئے کہ 1707ء میں اورنگ زیب کا انتقال ہوا جس کے بعد برصغیر میں طوائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اور سنہ 1843ء جنگ میانی کا سال ہے جس میں انگریز نے اپنی جارحیت کی تلوار کو بالآخر مکر کے غلاف سے عریاں کر کے سندھ کی آزادی کا خاتمہ کیا۔ سچلؒ کی نوے سالہ زندگی اسی ڈیڑھ سو سالہ ہنگامی دور کے وسط میں واقع ہے۔

برصغیر کی تاریخ میں عام مشاہدہ ہے کہ مرکز کے کمزور ہونے پر صوبیداریاں خاص طور پر مرکز سے دُور علاقوں میں خود مختار حکومتیں بن جاتی ہیں جن کا مرکز سے برائے نام تعلق رہ جاتا ہے اور جاگیریں جو کبھی شاہی منصب سے وابستہ ہوتی تھیں منصب سے بے تعلق ہو کر موروثی ہو جاتی ہیں اور مہم جو لوگوں کے سامنے اپنی قسمت آزمائی کے لئے میدان وسیع ہو جاتا ہے اور بیرونی حملہ آوروں کو تاخت و تاراج کے لئے کھلا ہوا راستہ مل جاتا ہے۔

سندھ میں کلہوڑوں کی حکومت 18 ویں صدی کے آغاز میں قائم ہو گئی۔ سچلؒ نور محمد کلہوڑا کے عہدِ حکومت میں پیدا ہوئے کلہوڑا خاندان کی خانہ جنگیاں ان ہی کے سامنے ہوئیں۔ ان کے سامنے تالپور حکمرانوں کی حکومت پورے سندھ پر قائم ہوئی اور پھر

وہ تین خطوں میں خیر پور، حیدر آباد اور میر پور میں بٹ گئی۔ پنجاب میں سکھ طاقت کا عروج انہی کی زندگی میں ہوا۔ اور ان ہی کی زندگی میں میروں اور انگریزوں کے درمیان وہ معاہدے شروع ہو گئے تھے جن کا اختتام بالآخر سندھ پر انگریزوں کی حکومت کے قیام پر ہونا تھا۔ کلہوڑوں کے ابتدائی عہد میں دلّی کی حکومت کی نام نہاد بالا دستی تھی، پھر سندھ کی حکومتیں افغانستان کی باجگزار بن گئیں۔ اور آخر میں ایک طرف سکھوں کو تحفے تحائف کے ذریعے خوش رکھنے کی سیاست شروع ہوئی اور دوسری طرف سکھوں کے خوف سے سندھ اور بھی تیزی سے انگریزوں کے مضبوط جال میں پھنستا چلا گیا۔

1739ء میں جس سال سچلؒ پیدا ہوئے نادر شاہ نور محمد کلہوڑا کے تعاقب میں سندھ کو تاخت و تاراج کر گیا۔ 1753ء میں احمد شاہ ابدالی سکھر کے راستے سندھ پر حملہ آور ہوا، وہ سندھ کو تاخت و تاراج کرتا چلا گیا اور کلہوڑوں کی خانہ جنگی میں ایک کلہوڑا سردار کے ایما پر مدد خان پٹھان نے 1786ء میں پورے سندھ کو خاکِ سیاہ کر دیا۔

جب مرکزی نظم وضبط کا شیرازہ کمزور ہو جاتا ہے تو تمام سماجی ادارے اپنے سماجی کردار سے بے نیاز ہو کر طاقت اور ظلم کے چھوٹے چھوٹے متصادم منطقوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ جاگیر دار اور زمیندار اپنی طاقت کو قائم رکھنے اور اس کو زیادہ بڑھانے کے لئے اپنے زیر دست لوگوں کو غلام بنا کر رکھتے ہیں اور آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ سادات کے مراعات یافتہ خاندان اور تصوف کے سلسلے بجائے روحانی اور اخلاقی تربیت مہیا کرنے کے پیری مریدی کے ظالمانہ اور عیارانہ شکنجے بن جاتے ہیں۔ علماء مراسم دین کو زیادہ سے زیادہ سخت اور تنگ بنا کر اپنی چودھراہٹ کو قائم رکھتے ہیں۔ اور یہ طبقات جب اپنے زیر دست عوام میں کسی طرح شعور کی بیداری کے کچھ آثار پاتے ہیں اور ان کو اپنے طبقاتی مفاد خطرے میں نظر آتے ہیں تو اپنی آپس کی رقابتیں ملتوی کر کے اس "بغاوت" کو کچلنے کے لئے متحد ہو جاتے ہیں اور اس کام میں بالا دست طاقت کی پشت پناہی بھی ان کو حاصل ہوتی ہے۔

سچلؒ کی پیدائش سے کچھ سال پہلے ہی سندھ کے شمالی جنوبی دونوں حصوں میں یعنی نظامت بھکر اور نظامت ٹھٹہ میں دو ایسے واقعات ہوئے جن کو ہم سچلؒ کی زندگی کا سیاسی پس منظر کہہ سکتے ہیں۔ نظامت بھکر میں نور محمد کلہوڑا کے لشکر نے ایک بزرگ مخدوم

عبدالرحمٰن کو ان کے دوسرے ساتھیوں سمیت مسجد میں قتل کر دیا اور نظامت ٹھٹہ میں جھوک شریف والے شاہ عنایت کا واقعہ پیش آیا۔ تمام مفسد عناصر یعنی جاگیر دار، سادات کے مراعات یافتہ خاندان، پیری مریدی کا پیشہ کرنے والے اولیاء اور لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے والے عالم اور حکومت کے ناظم اور نمائندے اس بات پر متحد ہو گئے کہ شاہ عنایت نے روحانی تربیت سے عوام میں جو انسانی شرف اور آزادی کا اور ظلم سے نفرت کا شعور بیدار کیا تھا اس کو موت کی نیند سلا دیا جائے اور وہ اپنے ظلم اور فریب سے اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ دیکھنے کی بات یہ بھی ہے کہ یہ دونوں واقعات کلہوڑوں کے زمانے کے ہیں جو خود پیری مریدی کے زینہ سے بامِ حکومت تک پہنچے تھے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں اکثر تحریکیں اقتدار کے زیر ہوس سیاسی مہم جوئی میں تبدیل ہو کر مصلحتوں اور سازشوں کے دلدل میں ختم ہو چکی ہیں۔

مسلمانوں کی تاریخ میں تصوف یا عرفان کے کئی سماجی سیاسی کردار رہے ہیں۔ پہلا دور بنی امیّہ اور بنو عباس کی حکومت کا زمانہ ہے جب مسلمانوں کو دنیا کی حکومت حاصل ہوئی اور خلافت ملوکیت میں بدل گئی تو نہ صرف حکومت سے وابستہ لوگوں کے رہنے سہنے کا طریقہ بدل گیا بلکہ اکثر لوگوں کی امنگوں اور آرزوؤں، حتیٰ کہ عقیدوں پر بھی ملوکیت کی چھاپ لگ گئی اور ایک طرح کا حکومتی اسلام لوگوں کے دل و دماغ پر چھانے لگا جس کی رو سے حکومت ہی دین کا مرکز اور دین کا نشان اور اس کو ہر قیمت پر مضبوط کرنا دین کی خدمت اور کسی طرح کی بھی مخالفت خدا سے بغاوت ہے اور کرسی کی پرستش عبادت ہے۔ طاقت اور نیکی میں عزت کا نہیں بلکہ رقابت کا رشتہ ہے اور ان میں ایک داخلی اور خارجی کشمکش جاری رہتی ہے۔ اس زمانے میں تصوف اور عرفان کا اظہار فقر اور زہد کی صورت میں ہوا۔ اللہ کی عبادت اور مخلوق کی خدمت اور حق کی ہدایت ان بزرگوں کا وطیرہ قرار پایا۔ یہ گویا دربار داری اور دنیوی شان و شوکت اور عیش و نعم کی دلدادگی، قرآنی اصطلاح میں تکاثر اور تغافر کے خلاف ایک خاموش لیکن جاذب توجہ اور مستقل احتجاج تھا۔ ان کی عزیمت اکثر حکامِ جور کے سامنے اعلائے کلمتہ الحق میں اور کبھی کبھی حکومت کی عملی مخالفت میں ظاہر ہوتی تھی۔ منصور حلاج اس دور کے حاتم سمجھے جا سکتے ہیں۔ دوسرے دور کا تعلق فتنہء منگول سے ہے۔ منگول فتنہء

کے ظاہر ہونے سے پہلے بنو عباس کے عہد میں معاشرتی شکست اور ریخت اور زوال و انتشار کا عمل شروع ہو چکا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ عرفان کی حسِّ بیدار نے آنے والے فتنے اور طوفان اور تباہی اور انتشار کا سراغ پالیا ہو۔ یہی زمانہ ہے جب انہوں نے اپنے آپ کو منظم کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور تمام عالمِ اسلام کے اندر اور باہر سفر کر کے آنے والے طوفان سے مقابلے کے لئے زندگی کے بیج بونے شروع کر دیئے تھے۔ ہند و سندھ میں اولیاء کا ورود اسی زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ تیسرا دور مسلمانوں کی سلطنتوں کے استحکام کا زمانہ ہے۔ معاشرے کا ایک قطب سلطانی دربار تھا اور دوسرا قطب درویشی خانقاہ تھی۔ اور انہیں قطبین کی کشمکش سے معاشرے کا ادب، تہذیب اور اخلاق رونما ہوتے تھے۔ برصغیر میں ایک طرف شاہی دربار تھا۔ جس کا سیاسی اور ثقافتی اثر اُوپر کے طبقات سے نیچے کی سطح تک پہنچتا تھا اور دوسری طرف خانقاہیں تھیں جن کے دائرۂ عمل کا ایک سرا درباروں سے ملتا تھا اور دوسری طرف اللہ کی مخلوق کے لامتناہی میدان میں پھیلا ہوا تھا۔

ان سلطنتوں کا زوال تصوف کے سماجی و سیاسی کردار کا چوتھا دور ہے۔ یہی دور سچلؒ کا دور تھا۔ انتشار اور طوائف الملوکی کے ماحول میں خانقاہیں ایسی تھیں جیسے تند و تیز آندھیوں میں امید و اطمینان کے چراغ روشن ہوں یا پریشان دل و دماغ کے لئے ایک حیات افزا جائے پناہ ہو یا جب سمندر کی سطح پر طوفانی موجیں موت اور تباہی کا ناچ ناچ رہی ہوں تو زیرِ سطحِ گہرائی کے سُکون میں نرم و سبک لہریں بدستور اپنا عمل جاری رکھ رہی ہوں۔

تاریخ کے زلزلوں میں زندگی کے تسلسل کو قائم رکھنے والی دو ہی حقیقتیں ہوتی ہیں۔ جسمانی اعتبار سے دھرتی کا پوت کسان اور دنیا کا بوجھ اٹھانے والا مزدور اور روحانی اعتبار سے زندگی میں روشنی اور حرارت قائم رکھنے والا درویش۔ ان دو حقیقتوں کے سامنے تمام اُبھرنے اور مٹنے والی طاقتیں اور طبقات نقش بر آب ہیں۔ اور اسٹیج پر ظاہر ہونے والے اور غائب ہونے والے حکمران ایک تماشہ۔ درویش کو اس چیز کی ضرورت نہیں جو دنیوی حکمرانوں کے پاس ہے۔ دنیوی حکمران حاجتمند ہوتا ہے اس شے کا جو درویش کے پاس ہے اور اکثر اس ضرورت کا احساس اس کو درویش کے آستانے پر کھینچ لاتا ہے۔ کلہوڑے درویش لطیفؒ سے اظہارِ عقیدت کرتے تھے۔ میرانِ خیرپور درازہ شریف کے

خانوادے سے، مگر حکمرانوں کے دل میں درویش کی طرف سے ایک خوف رہتا ہے۔ شاہ عنایت جھوک شریف والے کی شہادت اسی خوف کا نتیجہ تھی۔ اسی خوف نے شاہ لطیفؒ کو متعدد بار جان لیوا سازشوں کا شکار بنانے کی کوشش کی اور دوسری طرف درویش حکمرانوں کے ظلم سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں اور حتی الامکان اس کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی درویش حق کی تلاش کرتے ہوئے اور اللہ کی برکتوں کو عام کرتے ہوئے قریہ قریہ دریا کی طرح رواں رہتے ہیں اور کبھی صحرا میں ایک چشمہ کی طرح پیاسوں کو دُور دُور سے اپنی طرف کھینچ کر ان کو سیراب کرتے ہیں۔

سچلؒ بہت کم درازا شریف سے کہیں دُور گئے۔ یہ سچلؒ کا روحانی ماحول تھا۔ ہم ان کو سندھی روایت میں شاہ لطیفؒ کا وارث اور سرائیکی روایت میں سلطان باہوؒ اور خواجہ فریدؒ کی بیچ کی کڑی کہہ سکتے ہیں۔ شاہ لطیف کی طرح سچلؒ بھی ایک خانوادۂ تصوف سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے دادا خواجہ محمد حافظ جنہوں نے مراقبہ اور مجاہدہ میں ایک عمر گزاری تھی بڑی شان کے بزرگ تھے۔ سچل کی پیدائش کے وقت ان کی عمر قریب 50 سال تھی۔ سچلؒ کی صغیر سنی میں شاہ لطیفؒ کی خواجہ محمد حافظ سے ملاقات بھی ہوئی تھی جس میں شاہ لطیفؒ نے سچلؒ کے لئے پیش گوئی بھی کی۔ شاہ لطیفؒ کے انتقال کے وقت سچلؒ کی عمر چودہ برس تھی سچل نے بچپن میں علوم متداولہ حاصل کئے اور ان کی روحانی تربیت ان کے دادا اور ان کے بعد ان کے چچا خواجہ عبدالحق کی نگرانی میں ہوئی۔

عرفان علم باطن ہے۔ علم سماعی نہیں ہوتا بلکہ طبعی ہوتا ہے۔ سالک کے پیشِ نظر قاری بننا نہیں بلکہ قرآن بننا ہوتا ہے۔ یہ فکری تصورات کا تجزیہ نہیں ہے بلکہ حقیقت واحدہ کا تجربہ ہے۔ زمانے اور انفرادی ظرف و مزاج کے لحاظ سے تجربہ کے انعقاد اور اظہار میں تبدیلیاں ہوتی ہیں لیکن یہ تبدیلیاں ایک ہی لامتناہی حقیقت کے دائرہ کے اندر اس کے مختلف پہلوؤں اور متنوع شئوں کا کشف ہوتا ہے۔ یہ تبدیلیاں تغیر ہیں تواتر نہیں ہیں۔

اس تجربہ کا اظہار زندگی کی ایک، نہج میں ہوتا ہے۔ یہ تجربہ زندگی کا ایک نمونہ تخلیق کرتا ہے۔ صوفی کی نفسیات میں بچوں کی سی معصومیت ہوتی ہے۔ یہ معصومیت اس تخلیقی حیرت کا سرچشمہ ہے جو انسان کو مظاہر میں حقیقت کی تجلّی دکھاتی ہے اور حکمت تک

پہچاتی ہے۔ تمام مظاہر، تمام جاندار، تمام انسان، انسانوں کی صورتیں ان کی زندگی کے واقعات و حوادث، ان کے حوصلے اور ناکامیاں، ان کے معاملات اور دلی کیفیات، ان کی داستانیں اور لوک کہانیاں اسی حقیقتِ واحدہ کی علامات اور آیات بن جاتی ہیں، ایک بڑے صوفی خواجہ حافظؒ نے انسانی بصیرت کو نارسائی اور کوتاہی بتائی تھی کہ "چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ روند" صوفی ان افسانوں میں وہ حقیقت دیکھ لیتا ہے جس کی تلاش میں یہ افسانہ بنے۔ انفس و آفاق کی کائنات اس کے لئے حسن کا آہنہ خانہ ہے جس میں حق جلوہ گر ہے اور اسی لئے اسے کائنات کے ہر ذرہ سے اور ہستی کے ہر مظہر سے محبت ہوتی ہے۔ یہ محبت تمام تضادات مٹا دیتی ہے۔ ایک کی محبت سب سے محبت بن جاتی ہے۔ تصوف خدا مرکز انسان دوستی اور حُسن شناسی ہے۔ خدا سے تعلق کے لئے صوفی سب سے ترکِ تعلق کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بے ہمہ قلندر کو ایک ایسے تعلق کے ساتھ باہمہ بنا دیتا ہے جس میں کوئی غرض نہیں بلکہ خیر ہی خیر ہے۔ وہ خیر جو خیر و شر اور کفر و دین کے تضاد سے روا ہے۔ زندگی کی تمام رسوم کا تضاد مٹ جاتا ہے لیکن ایک محبت کا تضاد تو باقی رہتا ہے۔ دنیا کی ساری کثرت وحدت میں بدل جاتی ہے۔ لیکن بندہ منصور کے درجہ تک بھی پہنچ جائے جو سچل کا مقام کہا جاتا ہے اور خدا بندے تک جھک آئے اور بندہ خدا تک پہنچ جائے پھر بھی خدا خدا ہے اور بندہ بندہ ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا اطمینان ہو سکتا ہے کہ اپنا مقصود موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا تڑپ ہو سکتی ہے کہ مقصود لا محدود ہے۔

لازمی بات نہیں ہے کہ ہر صاحبِ عرفان شاعر ہو، عرفانی تجربہ تو جیسا میں نے کہا تھا زندگی کا ایک اسوہ تراشہ ہے اور سب سے بلند شاہکار زندگی کا شاہکار ہے۔ زندگی کی معرفت رکھنے والا جانتا ہے کہ زندہ رہنا اعلیٰ ترین فنِ لطیف ہے لیکن جب اس زندگی کا اظہار بیان میں ہوتا ہے تو وہ شعر ہی کی زبان ہے۔ اس تصوف میں جس کے لئے کہا گیا ہے کہ برائے شعر گفتن خوب است اور اس تصوف میں جس نے ایک انسانی اسوہ تراشا اور اس کو شعر کی زبان دی بہت فرق ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے دیگ پک رہی ہو۔ اس کا ڈھکنا کھلا، فضا میں خوشبو پھیلی تو حساس شامہ رکھنے والوں کو کچھ پتہ لگا کہ دیگ میں کیا ہے یا جیسے کسی آتشِ خاموش سے شرارے اُڑ اُڑ کر ستارے بن رہے ہوں۔

سچلؒ کی شاعری ان کا فن نہیں ان کی زندگی ہے کہتے ہیں کہ شعر کی تخلیق کے وقت سچلؒ کی شعوری زندگی ٹھہری ہوئی ہوتی تھی جب اسی بیخودی کے عالم سے باہر آتے تھے تو کہتے تھے کہ " یہ کسی اور نے کہا ہو گا۔ مجھے یاد نہیں "۔ یہ گویا اپنے آپ کو پہچاننے کی کوشش تھی۔ اور اس کلام میں فن بھی ہے۔ یہ کلام مختلف زبانوں میں ہے۔ سرائیکی اور سندھی ان کی زبانیں ہیں۔ فارسی اور اُردو میں بھی کافی کلام ہے۔ اور جس زبان میں کلام ہے اس کی معروف اصناف میں پُر اور اس زبان کی ادبی روایات کا بھی پورا پورا لحاظ ہے۔ دوسرے شعراء کے کلام کی گونج بھی جابجا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ علم و فن و زبان پہلے درجے میں کب سے حاصل کی گئی ہیں۔ دوسرے درجے میں وہ شعور کا ایک حصہ بن گئی۔ تخلیق کے وقت حال کی کیفیت اس قدر شدید ہے کہ یہ تمام چیزیں تحت الشعور میں پہنچی ہوئی ہیں۔ اب کسب سے کشف کا درجہ آگیا ہے اور کشف کو زبان دینے کے لئے یہ تمام چیزیں تحت الشعور سے اس طرح اُبھر رہی ہیں جس طرح عام محسوسات اور مشاہدات اُبھر کر خواب میں تبدیل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ جاگتا خواب ان کا نفس نہیں بلکہ ان کی روح دیکھ رہی ہے۔ اس عالم وجد کے پیچھے بڑا ریاض ہے سچلؒ سرمست کی مستی میں بڑے سخت آداب ہیں اور اس خواب کو اُبھارنے والی اور اظہار کو شکل دینے والی محرک موسیقی کا جادو ہے۔ موسیقی جو تمام فنونِ لطیفہ میں شامل ہے اور جس کی طرف تمام فنون لطیفہ دیکھتے ہیں۔ جس میں انتہائی تڑپ ہے اور انتہائی سکون و نظم ہے۔ موسیقی جو تمام تضادات میں ہم آہنگی پیدا کرتی ہے جو فن کو روح کی راگنی بتاتی ہے جسے سچلؒ سرمست اپنا طبیب کہتے ہیں یہ حکایت ہے جس میں بیک وقت نشاطِ وصل ہے اور شکایتِ فراق بھی میں اس بیان کو حافظ کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

بلبلے رگِ گلے خوش رنگ در منقار داشت
واندراں برگ و نوا خوش نالہائے زار داشت
کشمکش در عین وصل این نالہ فریاد چیست
گفت مارا جلوۂ معشوق را این کار داشت ۔ (حافظ)

سچل سرمست کی اُردو اور فارسی شاعری

نسیم امروہوی

اٹھارویں صدی عیسوی کے ربع دوم میں، سندھ کی سرزمین پر، خیرپور کے قریب، درازا شریف میں ایک شاعر پیدا ہوا، جو سندھی اور سرائیکی (ملتانی) زبانوں میں غوامض تصوف والٰہیات کے چہرے سے جہلِ علم کی نقاب اٹھا کر، وحدت الوجود کے بے روک ٹوک جلوے دکھاتا تھا اور بنی نوع انسان کی غمخواری اور کمزوروں کی دستگیری کا وہ عالم گیر پیغام سناتا تھا، جو انسانیت اور مساوات کی دنیا میں آج دو سو برس گزر جانے کے بعد بھی اپنی پوری قوت اور تاثیر کے ساتھ زندہ ہے اور آئندہ بھی جب تک ضمیر اور احساس میں ذرا سی بھی جان باقی ہے زندہ اور پائندہ رہے گا۔ اس شاعر کا نام تو عبدالوہاب تھا، لیکن اس کے پیغام کی سچائی اور کلام کی سرمستی کی بنا پر لوگ اسے شروع ہی میں سچل اور سرمست کے القاب سے خطاب کرنے لگے تھے اور اب وہ ان ہی مقدس ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

سچل سرمست کو سندھ کے نخلستان کا گل سرسبد ہونے کی بنا پر عام لوگ صرف سندھی اور سرائکی کا شاعر خیال کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ان دو زبانوں کے علاوہ اُردو اور فارسی میں بھی کم و بیش دس ہزار شعر کہے ہیں جن میں سے غزلیات کا ایک ضخیم مجموعہ، دیوان آشکار، کے نام سے قبل از تقسیم شکارپور (سندھ) کے ایک ادارے نے شائع کیا تھا۔ یہ مجموعہ فارسی کی کئی سو غزلیات اور اُردو کی ساٹھ ستر

غزلوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ سندھی ادبی بورڈ کراچی نے سچل کے سرائکی کلام کا ایک مجموعہ شائع کیا ہے جس کے آخر میں اُردو کی پچاس غزلیں بھی درج کی گئی ہیں۔ لیکن ان میں اکثر وہی ہیں جو اس سے پہلے دیوان آشکار میں شائع ہو چکی ہیں۔ غرض کہ اس طرح سچل سرمست کی اُردو غزلیات کے تقریباً پانچ سو اشعار منظر عام پر آچکے ہیں۔ اگرچہ یہ غزلیں شاعرانہ صنعت گری اور خیال آفرینی کے نقطہ نگاہ سے جو اُس زمانے کے متغزلین کا عام موضوع تھی، کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتیں لیکن اُردو غزل میں تصوف اور اخلاق کے مضامین ایک صنف سخن کے طور پر شامل کئے جانے کی تاریخ میں انہیں اپنی زبان اور انداز بیان کی فطری سادگی کے ساتھ ایک خاص محل و مقام حاصل ہے، جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس مقام پر یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ 1739ء میں جب کہ سچل پیدا ہوئے، اُردو زبان اصلاح و تہذیب کی ابتدائی منزلیں طے کر رہی تھی۔ سچل نے تقریباً 1754ء میں شعر کہنا شروع کیا۔ اس وقت ولی و کنی وفات پا چکے تھے۔ انعام اللہ خان یقین کا آخری وقت تھا۔ قائم چاندپوری، خواجہ میر درد، اور میر تقی میر کی شاعری کا چرچہ شروع ہو چکا تھا۔ نظیر اکبر آبادی نے شعر گوئی کی بسم اللہ کی تھی اور راسخ ابھی مکتب میں ابتدائی درسیات پڑھ رہے تھے۔ ان تاریخی حقیقتوں کو سامنے رکھ کر جب ہم سچل کی اُردو غزل کا جائزہ لیتے ہیں اور اُس میں ہمیں نفی اثبات، فنا و بقا، حال و قال، انا الحق اور وحدت الوجود کے پردے چاک ہوتے نظر آتے ہیں، تو ماننا پڑتا ہے کہ سچل اُن سابقین کی صف میں شامل کئے جانے کے مستحق ہیں جنہوں نے الٰہیات اور اخلاقیات کو ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے اُردو غزل میں شامل کر کے اس صنف سخن کا مرتبہ و مقام بلند کیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی سچل میں ایک امتیازی وصف بھی نظر آتا ہے۔ اور وہ یہ کہ انہوں نے اپنے عہد کی شاعری کے عام ماحول سے متاثر ہو کر اپنی غزل میں تفنن کے طور پر بھی بے مطلب اور سطحی باتوں کو جگہ نہیں دی۔ علاوہ ازیں غزل میں معاشرے کی اصلاح حال کے لئے وعظ و پند کا طریقہ جس نے حالی کے دور میں خوب فروغ پایا۔ اُس زمانے کے شعراء میں سچل کے یہاں ایک نمایاں عنصر کے طور پر پایا جاتا ہے۔ وہ ایک مقام پر کہتے ہیں:

جب عشق میں سر نہیں دیا دو جگ جیا تو کیا ہوا
ملا کتابیں کھول کر مسئلہ پڑھا تو کیا ہوا
پڑھتا عمل کرتا نہیں عالم بنا تو کیا ہوا
جوگی جگت کرتا نہیں کپڑا رنگا تو کیا ہوا

پہلے شعر کے مصرع اول میں سچل نے "نہیں" "بروزن نئ" (ءدباکر) نظم کیا ہے۔ ان کے دور کے دوسرے شعراء بھی اس لفظ کو اکثر اسی طرح نظم کرتے تھے۔ سراج اورنگ آبادی کہتے ہیں:

دیدار دے شتابی جلنے کی تاب نہیں ہے
اس ہجر کی لگن سیں دوزخ کی آگ اولیٰ
(کلیات سراج۔ ص136)

شعروں میں "نہیں" کا اس طرح تلفظ حالی کے وقت تک جائز سمجھا جاتا تھا چنانچہ مولانا خود فرماتے ہیں:

جب اب تب تجھ سا نہیں کوئی
تجھ سے ہیں سب تجھ سا نہیں کوئی
مناجات بیوہ۔ ص3

مصرع ثانی میں سچل نے "مسئلہ" کو بہ اسقاط ہمزہ نظم کیا ہے۔ اُس وقت کے دوسرے اساتذہ بھی حرف اصلی کے اسقاط کو درست سمجھتے تھے چنانچہ سراج اللہ خان یقینؔ نے "بنفشۂ" کو "بنفشی" بہ اسقاط ہمزہ نظم کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

اس بنفشیؔ پوش سیں مت مل رقیب زر درد
کیا تو شاخ زعفران ہے باغ نافرمان کا

ضرورت شعری کے تحت اس نوع کے تصرفات نہ صرف سچل کے زمانے میں بلکہ ایک صدی بعد تک معیوب نہیں خیال کئے جاتے تھے چنانچہ ذوق نے ایک قصیدے

میں "موسیقی" کو بہ اسقاط یائے اول "موسیقی" نظم کیا ہے کہتے ہیں:

ماہر موسیقی ایسا کہ ادا کرتا تھا
کبھی میں بارہ مقام اور کبھی چاروں مت
(دیوان ذوق ص132)

سچل نے ایک غزل میں انسان کی عظمت اور کل مخلوقات پر اس کی اشرفیت ان لفظوں میں نظم کی ہے:

جس جا ملائکہ نے مجھ کو سلام کیتا
کہہ قاضیا ہمیں سے اس جا سلام کیا ہے

اس خیال کو کہ انسان وہی ہے جو سراپا عشق غرق ہوا اور ہزارہا ہزار مخلوقات میں ایک مخلوق ہونے کے باوجود وحدت الوجود کے عقیدے کی اس منزل پر فائز ہوا جہاں اسے کائنات اپنے ایک وجود میں سمٹی ہوئی نظر آئی، سچل نے اس طرح ادا کیا۔

عشق ہے امام میرا دیگر امام کیا ہے
میخانہ میں بنا ہوں اک جرعہ جام کیا ہے

پہلے مصرعے میں "عشق ہے" بہ اسقاط ہائے ہوز نظم ہوا ہے۔ حروف اصلی کے اسقاط کی ایسی مثالیں آپ کے معاصرین کے یہاں اکثر پائی جاتی ہیں، چنانچہ نظیر اکبر آبادی نے ایک نظم میں، جس کا عنوان "عید" ہے لفظ "عاشق" بسقوط "ع" نظم کیا ہے کہتے ہیں:

رند عاشقوں کو ہے کئی امید کی خوشی
کچھ دلبروں سے وصل کی کچھ دید کی خوشی
(کلیات نظیر، ص418)

سچل نے عشق صادق کا یہ مسلمہ اصول کہ انسان کو ہمیشہ حقیقت الٰہیہ کا دم بھرنا اور اسی حال میں دم توڑنا چاہیے ایک شعر میں نہایت ولولے اور دبدبے کے ساتھ ان الفاظ

میں ادا کیا ہے:

پکڑ کر تیغ لاہوتی سر میدان آؤں گا
گلی اب چھوڑ دلبر کی طرف دیگر نہ جاؤں گا

اناالحق اور ہمہ اوست کا مسلک سچل کا محبوب ترین موضوع ہے۔ جسے انہوں نے اپنی ہر زبان کی شاعری میں طرح طرح سے نظم کیا ہے۔ اُردو کی غزل میں ایک جگہ کہتے ہیں:

ہوا ہے حکم اب مجھکو بجا نوبت اناالحق کی
میں اس عالم میں برھا کا تماشا اب دکھاؤں گا

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

معشوق سراپا ہوں ہم گوئے و ہم چوگان

تقریباً یہی خیال ہے جسے بعد میں مصحفی نے اپنی ایک غزل کے مطلع میں، اس طرح نظم کیا ہے:

معشوق ہوں یا عاشق معشوق نما ہوں

حق یہ ہے کہ سچل کے یہاں "ہم گوئے و ہم چوگان" کے محاورے میں جو مزہ ہے، وہ مصحفی کے یہاں "عاشق معشوق نما" کی ترکیب میں نہیں۔

سچل تعینات کی قید سے آزادی اور وحدت الوجود کی سرمستی کا اس زور و شور کے ساتھ اعلان کرتے ہیں:

دوئی کا دین باطل کر نکل باہر مذاہب سے
حکم یہ ایک ایکا کا بہر جا میں چلاؤں گا
کہا یہ پیر نے مجھ کو نہ خود کو غیر حق جانو
"وَلاَ مَوجُودَ اِلاّ ہُو" نقارہ میں بجاؤں گا

پہلے شعر میں "حکم" بسکونِ "ک" کے بجائے بفتحِ "ک" نظم ہوا ہے۔ سچل

کے معاصرین اور بعد میں آنے والے اکثر ساکن حرفوں کو متحرک اور بالعکس نظم کرتے تھے۔ مثلاً شاہ نصیر نے جو سچل کے بعد بارہ سال تک زندہ رہے، نفی، بسکون "فا" کو بکسرِ فا، نظم کیا ہے کہتے ہیں:

ہم نے اس بات کو اثبات کیا موج سے یوں
دم بدم ذکر نفی میں ہے یہ محراب حباب
(دیوان نصیر ص38)

سچل نے مذکورہ بالا دوسرے شعر میں نقارے کا قاف مشدد کے بجائے غیر مشدد نظم کیا ہے۔ اس قسم کا تصرف اور شعراء بھی کرتے رہے ہیں۔ مثلاً، میر نے "نشہ" بہ تشدید 'ش' کو بغیر تشدید نظم کیا ہے۔

کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اس کی میر
سمند ناز پہ اِک اور تازیانہ ہوا
(کلیات میر، ص153)

اسی طرح جرات نے ایک مثنوی میں "اصل" بسکون، 'ص' کو بفتح 'ص' باندھا ہے۔ فرماتے ہیں:

بزم عشرت میں تھے جو نت مے نوش
اَصَلُ السوس پیتے ہیں کر جوش
(مثنویات جرات 190)

ان کے علاوہ میر انیس نے ایک مرثیہ میں جس کا مطلع ہے۔ "شیر خدا کے وصف کہاں تک رقم کروں" "فرار" بہ تشدید رائے مہملہ کو بلا تشدید باندھا ہے۔ فرماتے ہیں:

بھیجوں گا کل اُسے جو مراد دوستدار ہے
کرار ہے وہ شخص کہ غیر فرار ہے
(مراثی انیس جلد، 2 ص 31)

سچل " وحدت الوجود " کا پیچ در پیچ عقدہ کتنے سہل اور دلنشین لفظوں میں حل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

ہوالاول ہوالآخر ہوالظاہر ہوالباطن
ادھر وہ ہے اُدھر وہ ہے سچل کہہ تم کجا ہو گا

سچل نے اس راز کو بہتوں سے بہتر طور پر سمجھا ہے کہ ادعائے عشق کے بعد عاشق کو اپنی بے بسی کا دکھڑا رونا رضا و تسلیم کے منافی ہے اور اسے بہمہ حال، اپنا حال بیان کرنے کے بجائے محبوب ہی کا ثناو توصیف میں تر زبان رہنا چاہیے۔ اس لئے اگر وہ کبھی ان مجبوریوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو کہ انہیں منازل عشق طے کرنے میں پیش آئی ہیں تو اس طرح اشارۃً یہ مضمون ادا کرتے ہیں جس سے بطور ادماج و استتباع ہر پھر کر محبوب ہی کے حسن لازوال کی ہمہ گیری اور عظمت ظاہر ہوتی ہے کہتے ہیں:

بے چارہ اِک نہیں میں آشفتہ اس صنم کا
کتنے ہوئے ہیں حیراں دیکھ حسن لایزالی

حسن کی "ح" وزن میں دبتی ہے جس کی نظیر، نظیر اکبر آبادی کے کلام سے پیش کی جا چکی ہے۔

سچل کے کلام میں عرفانِ حق اور تصوف کے علاوہ بعض مقامات پر واردات عشق ہجر و وصال کا ذکر اور عاشقانہ پیار و محبت کی باتیں بھی ملتی ہیں۔ مگر بیشتر شعروں میں ایک نہ ایک ایسا اشارہ بھی ہوتا ہے جس سے شاعر کا اصلی رنگ (عشق حقیقی) صاف جھلکتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ معشوق کی بے اعتنائی اس طرح بیان کرتے ہیں:

کس سوں میں کہہ سناؤں مرا یار ہے خیالی
مرا حال پوچھتا ہے اصل لاابالی

پہلے مصرع میں، خیال کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ محبوب جسم و جسمانیات سے مبرا ہے، ایک اور مقام پر درد عشق کی کیفیت ظاہر کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

یہ درد مجھ کو جاناں اب بے خبر کیا ہے
مجروح میرے دل کو اُس اِک نظر کیا ہے

کتنی روانی اور سلاست کے ساتھ "بے خبر" سے درافتگی عشق کی جانب اور دوسرے مصرع میں "اُس" سے عہد الست کی جانب اشارہ کر دیا ہے۔ اسی غزل میں کیفیت ہجر اور انتظار کی بے چینی ان لفظوں میں ادا کرتے ہیں:

ترے ہجر میں پیارا روتا ہوں زار زارا
وعدے نے تیرے ہم کو اب منتظر کیا ہے

پہلے مصرع میں "پیارا" کو سکون "یا" کے ساتھ نظم کیا ہے۔ اُس عہد کے دوسرے شعراء بھی اس تصرف کو جائز سمجھتے تھے۔ سراج اورنگ آبادی کہتے ہیں:

پتلی مرے نین کے جھروکے میں بیٹھ کر
بیکل ہو جھانکتی ہے پیارا کب آئے گا

(کلیات سراج، ص138)

دوسرے مصرع میں سچل نے "منتظر" بکسر "ظا" باندھا ہے۔ قافیے کی پابندی کے لئے لفظ میں اس قسم کا تصرف اب تک جائز سمجھا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ غالب نے "خاور" اور "منظر" کے قافیے میں "کافر" بکسر "فا" کے بجائے بفتح "فا" باندھا ہے۔

دیکھو یو غالب سے گر الجھا کوئی!
ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

(دیوان غالب، ص140)

اپنے زمانے کے رواج کے مطابق سچل نے دو ایک جگہ ظاہری خال و خد کو بھی اپنا موضوع فکر بنایا ہے۔ حو مریدوں کی دلچسپی حاصل کرنے کے لئے جو کہ ان کی محفل سماع میں جمع ہوتے تھے اور جن کو وہ اپنے صوفیانہ خیالات سے متاثر کرنا چاہتے تھے، نفسیاتی

اعتبار سے بھی موزوں تھا۔ چنانچہ اسی غزل میں کہتے ہیں:

ابرد کمان دلبر مژگاں خدنگ خنجر
ہم نے انہوں کے آگے سینہ سپر کیا ہے

اس کے فوراً ہی بعد یہ شعر ہے جس سے مراقبے کی محویت میں دیدار محبوب کی طرف لطیف اشارہ ہوتا ہے۔

اتنی یہ بے نیازی دلبر نہ کر سچل سے
اس کی گلی میں تم نے اکثر گزر کیا ہے

ایک اور مقام پر تغزل کے پسندیدہ ترین رنگ میں کہتے ہیں:

دل بیتاب کہ اِک آن نہیں جس کو قرار
زلفِ دلدار سوں ہمسر ہے پریشانی میں

سچل کی اُردو غزل کے یہ چند نمونے پیش کرنے کے بعد، اس حقیقت کا اظہار بھی مناسب ہو گا کہ کُل شعرائے اُردو نظیر اکبر آبادی اور راسخؒ دو ہی شاعر ایسے ہیں جن کی ولادت اور وفات، سچل سے صرف دو چار سال قبل یا بعد ہوئی ہے۔ اور اس بنا پر یہ تینوں ہر اعتبار سے ایک ہی عہد اور ایک ہی زمانے کے شاعر ہیں۔ لیکن ان تینوں کی غزلوں میں تصوف اور اخلاق کے مضامین صرف سچل کے یہاں پائے جاتے ہیں۔ نظیر اور راسخ کی غزلیں تمام تر اُس عہد کی غزل کے عام رنگ میں ہیں۔ اس لئے وہ غزل گوئی کی تاریخ ارتقاء کے لئے کوئی مواد فراہم نہیں کرتیں۔

اس مقام پر یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ سچل کی اُردو غزل کے جس قدر اشعار اس وقت تک منظر عام پر آئے ہیں، ان ہی تک سچل کی غزلوں کو محدود نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس لئے کہ ایک دفعہ انہوں نے اپنے اشعار کا بہت بڑا ذخیرہ محض اس اندیشے کے تحت دریا برد کر دیا تھا کہ عام لوگ ان صوفیانہ نکات کو نہیں سمجھ سکیں گے اور گمراہ ہو جائیں گے۔ دنیائے ادب کے اس حادثے کے بعد اب جو اشعار ہم تک پہنچے ہیں وہ

تمام تر سچل کے مریدوں اور عقیدت مندوں سے ملے ہیں۔ جس کی صورت یہ ہوئی ہے کہ سچل کی محفل سماع میں جب طبلے پر تھاپ پڑتی تھی اور یکتارا اپنا سریلا راگ چھیڑ تا تھا تو وہ بے خود ہو کر نثر کے بجائے نظم میں وحدت الوجود کے معانی و مطالب اور اسرار و غوامض کی تفسیریں بیان کرتے تھے۔ اور سامعین وحاضرین ان شعروں کو تبرک سمجھ کر لکھ لیتے تھے جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے اور ایک وسیع حلقے میں پھیل گئے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر سندھ، علی الخصوص خیر پور اور اس کے مضافات کے ان علاقوں میں جہاں کی محافل سماع میں یکتارے پر شعر الاپے جاتے ہیں، تفحص کیا جائے تو سچل کی بہت سی نئی غزلیں دستیاب ہو سکتی ہیں۔ اس خیال کی تائید اس بات سے بنی ہوتی ہے کہ فارسی میں دیوان آشکار کے علاوہ سچل کی سات مثنویاں اس وقت تک مل چکی ہیں جن کی ایک نقل روہڑی میں سادات موسوی کے یہاں اور دوسری خیر پور میں پروفیسر عطا محمد حامی کے پاس محفوظ ہے۔

فارسی میں سچل کے غیر مطبوعہ کلام کو چھوڑ کر، ان کی جس قدر غزلیں دیوان آشکار میں شائع ہو چکی ہیں، اگر چہ ان میں مضامین، زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے کوئی ایسا خاص امتیازی وصف نہیں ہے جو شعرائے عجم اور برصغیر کے فارسی غزل کہنے والے شاعروں کے یہاں موجود نہ ہو، تاہم یہی ایک بات بجائے خود بہت بڑا وصف ہے کہ ایک ایسا شاعر جو شب و روز سندھی اور سرائیکی میں گفتگو کرنے کا عادی اور ان ہی دونوں زبانوں کا شاعر تھا۔ جس کے سامعین فارسی زبان سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے تھے، جسے ابوالفضل اور فیضی کی طرح کسی درباری ضرورت کے تحت بھی فارسی زبان سے سابقہ نہیں پڑتا تھا اور فارسی اس کی یا اس کے باپ دادا کی مادری زبان بھی نہ تھی، اس نے زبان غیر میں، محض اس لئے کہ یہ اس وقت کی علمی زبان خیال کی جاتی تھی، ہزاروں شعر تصنیف کر ڈالے، جب کہ اتنے اشعار بعض عجمی شعراء کے دواوین میں بھی نہیں پائے جاتے۔

سچل کی فارسی غزلیات کے مطالعہ سے بہت جلد یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ فطرۃً رنگ تصوف کے دلدادہ تھے۔ سادگی ان کا خاص جوہر تھا۔ اور تصنع یا بے مقصد مضمون آفرینی سے انہیں قدرتی طور پر لگاؤ نہیں تھا۔ جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ ان کی زندگی پیری مریدی، رشد و ہدایت، وعظ و تلقین اور لوگوں کی روحانی و اخلاقی اصلاح تک محدود

تھی۔ وہ ایک ایسے علاقے کے باشندے تھے جہاں کے لوگ صدہا سال سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہونے کے باعث توکل و قناعت اور گوشہ نشینی کے عادی ہوگئے تھے۔ سچل کی اپنی شخصیت سے بھی ان کا مذہبی تقدس وابستہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں زندگی بسر کرنے کے بعد سچل اپنی غزلوں میں اگر تغزل کے رواجی مضامین نظم کرتے تو ان کی شاعری اور زندگی میں قطعاً تطابق باقی نہ رہتا۔ ان تمام وجوہ و اسباب سے سچل نے صوفیانہ رنگ اختیار کیا جو ایسے حالات میں خوب پھیلتا پھولتا ہے۔ دیوان آشکار کی ورق گردانی میں آپ سچل کی جس غزل کو پڑھ کر دیکھیں گے، اس میں آپ کو حال و قال کی ایک محفل گرم نظر آئے گی۔ جس میں وہ جھوم جھوم کر رنگ رنگ سے مرحلہء اناالحق اور مسئلہ وحدت الوجود کی عظمتیں بیان کر کے، انسان کو اس کی اشرفیت کے اصلی مقام سے باخبر کرتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ وہ اپنی مجلس سماع میں ڈنکے کی چوٹ اس بات کا اعادہ کرتے تھے کہ کائنات پر حکمرانی کا صرف وہی نفوس حق رکھتے ہیں جو عرفان کمال کی منزل پر فائز ہیں چنانچہ کہتے ہیں:

می زنم نعرہ اناالحق آشکار
اندر این آخر زمان منصور وار
نوبت صد بادشاہی می زنم
شہر یارم شہر یارم شہر یا

سچل اس بات کے قائل ہیں کہ جب سالک، سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرتا ہوا ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے جہاں اسے سوائے منزل وحدت کے اور کچھ نظر نہیں آتا، تو پھر اسے اس بات کی ضرورت نہیں رہتی کہ وہ اپنے عشق کو شریعت ظاہرہ کے احکام کی زنجیروں میں مقید رکھنے کا پابند ہو اور اس عالم میں جو لوگ اس کی آزاد روی پر نکتہ چینی کرتے ہیں، وہ عشق و محبت کی طریقت میں ملحد اور کافر ہیں، فرماتے ہیں:

گفت ملحد کہ حد شرع گزاشت
چوں بوحدت رسم کدام شرع

اب وہ ایک قدم اور آگے اُٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسوم کی پابندی محبوب تک پہنچنے کے راستے میں حائل ہوتی ہے۔ اس لئے میں ان تمام بندھنوں میں الجھنا نہیں چاہتا۔

ساقیا آن شراب انگوری
نمی خواہم کزوست صد دوری

اس جگہ "شراب انگوری" سے جس کا انجام خمار ہوتا ہے۔ وقتی اور سطحی محبت کی جانب اشارہ کیا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ میں تو ایسی محبت کا طالب ہوں جس کا نشہ کبھی نہ اُترے اور محبوب کی جدائی کے غم سے ابدی طور پر نجات مل جائے۔

لازوال است مئ وحدت
آن بنوشاں رہم ز مہجوری

سچل عشق کی مذکورہ منزلیں طے کرتے ہوئے کچھ اور بلندی پر پہنچے تو روکھے پھیکے زہد و تقویٰ پر جس میں محبت اور خلوص کی چاشنی نہ ہو، تعریض کرنے لگتے ہیں۔ جس سے مطلب یہ ہے کہ زاہد کا زہد و ریاضت بالکل بے کیف ہے کیونکہ یہ عشق و محبت کی اسی سرمستی اور حال سے بے بہرہ ہے جس پر میں فائز ہوں۔

ہستم غلام مصطفیٰ
چاکر بنام مرتضیٰ
من طالب آل عبا
زاہد چہ داند حال ما

سچل کی نظر میں ترک لذات اور دنیا سے بے تعلقی کی دولت ہی سب کچھ ہے۔ اور وہ سلوک کی راہوں میں اسی منزل کی عظمت کے معترف ہیں کیونکہ انہیں یہ معلوم ہے کہ انسان جب یہاں قدم رکھتا ہے تو اس کے دل میں ایک ایسا درد پیدا ہو جاتا ہے جسے وہ اپنا سرمایہ، حیات اور فلاح و نجات کا واحد ذریعہ خیال کرنے لگتا ہے اور یہی دراصل خلقت انسانی کا مقصد ہے۔ فرماتے ہیں:

غریبی بیکسی شد مایہء ما
کہ بالاتر بود زین پایہء ما
دلم پر غم پریشاں اشتیاقش
ز دردم شیر دادہ دایہء ما

مضمون کے علاوہ استادانہ منزلت کے لحاظ سے بھی آخری مصرع سچلؒ کی قادر الکلامی کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ کیونکہ تغزل کے رنگ میں "دایہ" کا قافیہ نظم کرنا بغیر کہنہ مشقی اور پختہ کاری کے ممکن نہیں۔ اسی غزل میں آگے چل کر کہتے ہیں۔

بدانستیم ما کان یار دور است
ولی نزدیک تر ہمسایہ ما
نمی دانم فغان این لہا چیست
خوش آمد دوست را این ہایہ ما

ان دونوں شعروں میں سلوک و معرفت کی اس منزل کی جانب اشارہ کیا ہے، جہاں عاشق درد عشق میں مبتلا ہونے کے بعد اول اول محبوب سے دوری محسوس کرتا ہے۔ پھر اسے تجلیات کچھ کچھ نظر آنے لگتی ہیں تو خیال کرتا ہے کہ محبوب کو اب میری ریاضت پسند آنے لگی ہے اور وہ مجھ سے قریب ہوتا جارہا ہے۔ یہ اگرچہ ایک سیدھا سادہ مضمون ہے جو دوسرے شعراء بھی لکھتے رہے ہیں۔ مگر ان اشعار میں ایک اور خاص بات ہے جو عام شاعروں کے مقابلے میں سچل کا مذاق سخن بلند ہونے کا ثبوت پیش کرتی ہے۔ اور وہ یہ کہ "غریبی بیکسی شد مایہ" سے لے کر "خوش آمد دوست را این ہایہء ما" تک ایک ہی غزل کے چار اشعار ہم نے پیش کئے ہیں۔ جو اپنے اپنے مقام پر مستقل مضامین پر مشتمل ہیں اور قطعہ بند کے طور پر تکمیل معنی میں ایک دوسرے کے محتاج نہیں۔ با این ہمہ ان میں اس قدر توافق خیالات پایا جاتا ہے کہ اگر انہیں تسلسل کے ساتھ پڑھا جائے تو منازل عشق میں انسان کی تدریجی رفتار ترقی کا نقشہ نگاہوں میں پھرنے لگتا ہے۔ عام غزلوں کی طرح ایسا نہیں کہ ایک شعر میں ہجر کا ذکر ہے اور دوسرے میں وصال کا۔ ایک میں ایران کی بات

ہے اور دوسرے میں توران کی یہ اور بات ہے کہ سچل کی غزل میں زبان و طرز بیان کے اعتبار سے شعراء عجم کی سی لطافت نہیں مگر ان کی نہ صرف اسی ایک غزل سے بلکہ اکثر دوسری غزلوں سے بھی اس بات کا ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ غزل کے اشعار میں متضاد خیالات کے مخالف اور ہم آہنگئی تخیئل کے خواہش مند تھے۔

ایک اور غزل میں منصور کے مسلک پر اپنے گامزن ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہر کجایم جا بجایم من خدایم من خدا
تاچہ شد پوشیدہ ام کز درد این خاکی قبا
من شدم او شد در این نباشد زاہدا
کوس منصوری بکوبم اندر این ہر دوسرا

اگرچہ دیکھنے میں مسئلہ وحدت الوجود کا یہ ایک معمولی طرز ادا معلوم ہوتا ہے مگر دوسرے شعر میں بڑی سادگی کے ساتھ لفظ "ہر دوسرا" کے استعمال سے سچل نے ایک ایسا پہلو پیدا کر دیا ہے جو عام شعرائے متقدمین کے یہاں نہیں ملتا جس کا ماحصل یہ ہے کہ اے زاہد! میں ہوں یا محبوب ہو، دونوں جہاں میں یعنی ظاہر و باطن میں "انا الحق" کہہ رہے ہیں۔ اس لئے ایک مطلب تو یہ ہے کہ جو کچھ میری زبان کہتی ہے وہی آواز روح سے بھی نکلتی ہے اور اس طرح میرے حال و قال میں ذرہ بھر تخالف و تضاد نہیں ہوتا۔ لیکن دونوں جہاں (ہر دوسرا) سے اگر عالم ادنیٰ و اعلیٰ یا مقام خالقیت و منزل مخلوقیت مراد لی جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ میں ادھر عالم ادنیٰ یا منزل مخلوقیت میں وحدت الوجود کا دم بھر رہا ہوں اور اُدھر میں ہی عالم اعلیٰ یا خالقیت کی دنیا میں انا الحق کے نعرے لگا رہا ہوں اور اس طرح عشق کی ان دونوں منازل میں کامل یکجہتی اور مماثلت برقرار ہے۔ یہ ہے "من تو شدم تو من شدی" کی وہ اچھوتی منزل جس تک عام نگاہوں کی رسائی نہیں ہوتی۔

افسوس ہے کہ سچل کو ابھی تک کوئی ایسا باسواد اہل قلم نہیں ملا جو ان کے فارسی کلام پر خاطر خواہ تبصرہ کر کے ان کے علوئے منزلت کو منظر عام پر لاتا اور اس لئے وہ بالکل ایسا مشکبو پھول ہو کر رہ گئے ہیں جو کسی صحرائے نامعلوم میں کھلا ہو اور سوائے فضائے بسیط

کے کوئی دماغ اس کی بو باس سے محفوظ نہ ہو سکا ہو۔

سچل کے فارسی کلام کی اشاعت کے سلسلے میں یہ بات بھی ایک حادثے سے کم نہیں ہے کہ ان کی جو غزلیات "دیوان آشکار" میں شائع ہوئی ہیں، ان کی کاپی اور پروف کی اصلاح سے ناشرین نے نہایت درجہ بے پروائی برتی ہے۔ جس کے باعث بہت سے اشعار ناموزون ہو گئے ہیں اور حک و ترمیم کے باعث بیسیوں شعروں کے مطالب سمجھ میں نہیں آتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ دیوان دوبارہ اصلی قلمی نسخے سے مقابلہ کر کے شائع کیا جائے۔

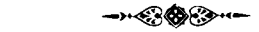

شاعرِ حق نوا حضرت سچل سرمستؒ

پروفیسر آفاق صدیقی

پاکستان کی سرزمین بزرگان دین اور اولیائے کرام کی سرزمین ہے۔ اس پاک سرزمین کے ہر خطے میں بلند پایہ صوفی بزرگوں اور عظیم صوفی شاعروں نے اپنے عارفانہ کلام سے عوام کو اسلام کی سیدھی سچی راہ پر چلنے کا درس دیا ہے۔

شاعر ہفت زباں حضرت سچل سرمست کا کلام بھی حق و صداقت، خلوص و محبت، ایثار و قربانی ہمدردی و رواداری، عدل و احسان اور اخوت و مساوات کا آئینہ دار ہے۔ انہوں نے نہ صرف سندھی زبان کو دریعہ اظہار بنایا بلکہ وہ اردو، فارسی سرائیکی اور ہندی کے بھی ممتاز شاعر تھے۔

سچل سائیں کا اصل نام عبدالوہاب فاروقی ہے اور والد بزرگوار کا نام صلاح الدین فاروقی ہے۔ ان کے جد امجد شیخ شہاب الدین فاروقی پہلی صدی ہجری میں فاتح سندھ محمد بن قاسم کے اتالیق اور مشیر خاص کی حیثیت سے اسلامی لشکر کے ہمراہ سندھ میں آئے تھے۔

وہ ایک نیک سیرت بزرگ اور اسلامی علوم پر گہری نظر رکھنے والے عالم تھے۔ جب سندھ پر عربوں کی حکومت قائم ہوگئی تو محمد بن قاسم نے شیخ شہاب الدین کو سیوھن کا گورنر بنایا۔ 95ھ میں انہوں نے وفات پائی مگر جیتے جی عوام کی بھلائی کے انتظامات کے

ساتھ ساتھ دین کی تبلیغ میں بھی پیش پیش رہے اور ان کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر ہزاروں غیر مسلمانوں نے اسلام قبول کیا۔ شیخ شہاب الدین کی رحلت کے بعد کئی پشتوں تک ان کے اہل خاندان انتظامی ذمہ داریاں سنبھالے رہے لیکن جب سلطان محمود غزنوی کا دور آیا تو ان دنوں شیخ محمد بن اسحاق فاروقی سیوھن کی گورنری سے سبکدوش ہو کر سندھ کے شمالی علاقے میں آباد ہو گئے۔ وہاں بھی ان کے خاندان والے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے اور محترم سمجھے گئے۔

سچل سرمستؒ کے دادا خواجہ محمد حافظ فاروقی بھی اسی خاندان کے بزرگ تھے۔ وہ ایک اعلیٰ عہدیدار تھے لیکن عمر کے آخری حصے میں درویشی اختیار کر لی تھی۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کسی دن اپنے ماتحتوں اور خدمت گاروں کو ساتھ لیکر شکار کھیلنے کی غرض سے گھنے جنگل میں داخل ہوئے تو اچانک ایک مجذوبہ خاتون نے ان کا راستہ روکا اور کہا "اے مرد خدا! تو اب کہاں جا رہا ہے تجھ کو تو غیب سے بادشاہی عطا ہوئی ہے"۔

وہ مجذوبہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی مگر خواجہ حافظ فاروقی کا حال عجب ہو گیا۔ وہ اپنے تمام ساتھیوں کو چھوڑ کر تن تنہا کسی انجانی منزل کی جانب رواں دواں ہو گئے اور سنسان جنگل میں اسی مقام پر قیام کیا جہاں سچل سائیں کا آبائی مسکن ہے۔ یہی وہ مقام ہے جو ضلع خیر پور میں رانی پور کے قصبے سے کچھ فاصلے پر درازہ شریف کے نام سے موسوم ہے۔

خواجہ محمد حافظ فاروقی عالم دین بھی تھے اور صوفی شاعر بھی۔ انہوں نے فارسی، سندھی اور سرائیکی میں صوفیانہ اشعار کہے ہیں۔ سندھ کے لوگ عام طور پر ان کو میاں صاحب ڈنہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ سندھی شاعری میں ان کا تخلص صاحب ڈنہ تھا اسی لئے وہ عوام میں میاں صاحب ڈنہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

ان کے کلام میں حسن حقیقت اور عشق حقیقی کے عارفانہ مضامین ملتے ہیں۔ حمد و نعت کے علاوہ انہوں نے خلق خدا سے پیار کرنے اور غریبوں کو گلے لگانے کا درس دیا ہے۔ سندھی شاعری میں ان کے بیتوں اور کافیوں کو کلاسیکی حیثیت حاصل ہے ایک سندھی بیت میں فرماتے ہیں "کسی کا عشق نہر جیسا ہے اور کسی نے دریا کو اپنے اندر جذب کر لیا ہے لیکن صاحب ڈنہ کے دل میں پورا سمندر سمایا ہوا ہے۔"

خواجہ محمد حافظ فاروقی عرف میاں صاحب ڈنہ کے بڑے بیٹے کا نام خواجہ صلاح الدین فاروقی تھا اور چھوٹے بیٹے کا نام خواجہ عبدالحق فاروقی۔ سچل سائیں کے والد خواجہ صلاح الدین اس وقت وفات پا گئے تھے جبکہ ان کا پیارا بیٹا بہت کمسن تھا۔ ظاہر ہے کہ شفیق باپ کا سایہ اٹھ جانے کے بعد خواجہ محمد حافظ نے بڑی چاہتوں سے اپنے یتیم پوتے کو پالا پوسا۔

سچل سائیں کے چچا خواجہ عبدالحق فاروقی بھی اپنے ہونہار بھتیجے کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا بڑا دھیان رکھتے تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے عربی پڑھائی اور باقاعدہ عربی پڑھانے کے لئے حافظ عبداللہ قریشی کو سچل سائیں کا استاد مقرر کیا۔ اس طرح چھوٹی عمر میں انہوں نے قرآن شریف پڑھا اور حافظ قرآن ہوئے۔ پھر عربی، فارسی اور تصوف کی تعلیم سچل سائیں نے اپنے چچا خواجہ عبدالحق فاروقی سے حاصل کی۔

1788ء میں خواجہ محمد حافظ فاروقی نے وفات پائی تو ان کی وصیت کے مطابق خواجہ عبدالحق سجادہ نشین ہوئے۔ عبادت و ریاضت اور خلقِ خدا کی خدمت میں وہ پہلے ہی پیش پیش رہتے تھے سجادہ نشین ہونے کے بعد درازہ شریف کی درگاہ کو انہوں نے اخلاقی و روحانی تعلیم و تربیت کا ایک مثالی مرکز بنا دیا۔ وہ شریعت و طریقت کے رموز و نکات کو بڑے دلکش اور عام فہم انداز سے بیان فرماتے تھے۔ سچل سائیں کو ان سے بڑی عقیدت و محبت تھی۔ اس لئے سن شعور کو پہنچے تو اپنے چچا خواجہ عبدالحق کے باقاعدہ مرید ہو گئے۔

سچل سائیں بچپن ہی سے بڑے خاموش طبع اور نیک طینت تھے۔ غریبوں، مسکینوں، محنت کشوں اور کسانوں سے ان کو دلی ہمدردی تھی۔ خدا ترسی، انسان دوستی اور خدمت خلق کا جذبہ ان کی شخصیت میں شروع سے موجود تھا۔ دینی تعلیم و تربیت اور صوفیانہ ماحول نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ عبادت و ریاضت اور محتاجوں کی امداد و اعانت کے کاموں میں اتنے منہمک رہتے تھے کے عالم جوانی میں بھی سیر و تفریح سے کوئی واسطہ نہ رکھا نوجوانی کے دنوں میں خواجہ عبدالحق کی بیٹی سے شادی خانہ آبادی کی رسم ادا ہوئی۔ اپنی سلیقہ مند، دین دار اور پُر خلوص شریک حیات سے بہت پیار تھا مگر خدا کی قدرت کہ باہمی رفاقت زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی۔ ان کی نیک سیرت اہلیہ نے عالم جوانی میں وفات پائی۔ اولاد سے بھی محروم رہے تھے اس لئے کربِ تنہائی نے اتنی شدت اختیار کر لی کہ اکثر جنگلوں اور

ویرانوں میں اکیلے گھومتے پھرتے رہے۔ روحانی سوز و گداز اور جذب و کیف اتنا بڑھ گیا کہ مسلسل سرمستی و بیخودی کے عالم میں رہنے لگے اسی لئے سرمست کہلائے۔

شعر و ادب کا ذوق و شوق سچل سرمست کو وراثتاً ملا تھا۔ والدین اور شریکِ حیات کی رفاقتوں سے محروم ہونے کے احساس نے گداز قلب کی دولت عطا کی۔ شاعری اور موسیقی وارداتِ قلبیہ اور روحانی سوز و سرور کے اظہار کا ذریعہ بنی۔ روایت ہے کہ جب ان پر وجدانی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھوں سے آنسوؤں کے جھرنے پھوٹنے لگتے اور لبوں پر وہ روح پرور کلام ہوتا جو ان کے عقیدت مند اپنے حافظے میں محفوظ کر لیتے تھے۔

شاعری میں سچل سائیں سے پہلے حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے پیام و کلام کو ہمہ گیر شہرت و مقبولیت حاصل ہو چکی تھی۔ شاہ بھٹائی کے بعد سندھی شاعری کو ایک نیا رنگ و آہنگ دینا سچل سائیں کے حصے میں آیا۔ انہوں نے بڑے ولولہ انگیز و بصیرت خیز لہجے میں حق و صداقت کے دل آمیز اشعار کہے۔ ان کے بیتوں اور کافیوں میں بہت ہی من موہنی کیفیات پائی جاتی ہیں۔ سچل سائیں کی ولادت شاہ لطیف کی پیدائش کے پچاس سال بعد ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس عرصے میں شاہ لطیف اور کئی دوسرے ممتاز سندھی شعراء نے سندھی زبان کے ذخیرہ الفاظ میں خاصا اضافہ کر دیا تھا۔ اس لحاظ سے سچل سائیں کا دور سندھی شاعری کے عروج کا دور ثابت ہوا۔ انہوں نے زبان و بیان کی جدت و ندرت سے اپنے عارفانہ کلام کے لئے ایک منفرد اور توانا لہجہ اختیار کیا۔ وہ لہجہ جو زندگی اور نغمگی سے بھرپور ہے۔

کہا جاتا ہے کہ شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ اور سچل سائیں کے دادا سائیں صاحب ڈنہ میں بڑی دوستی تھی۔ ایک مرتبہ جب شاہ صاحب اپنے دوست سے ملنے درازہ شریف آئے تو انہوں نے میاں صاحب ڈنہ کے پاس ان کے نو عمر لاڈلے پوتے کو دیکھا اور بڑے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا "ہم نے جو دیگ چڑھائی ہے اس کا ڈھکنا یہ خود نکال اتارے گا"۔

شاہ سائیں کی یہ پیشگوئی میاں عبدالوہاب کے بارے میں تھی جو بچپن ہی سے اپنی سچی اور اچھی عادتوں کی بدولت سچو، سچل اور میاں سچیڈنہ کے ناموں سے پکارے جاتے

تھے۔ پھر زندگی بھر وہ کردار و گفتار میں حق گوئی و بیباکی پر قائم رہے۔ جو کچھ کہا بلکل سچ کہا اور ہر سچائی کو بڑی جرات مندی سے اپنے پیام و کلام میں ظاہر کیا۔ اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ "سچل سارو سچ" یعنی سچل سائیں مجسم سچائی ہیں اور انہوں نے جو بھی کہا ہے سچ کہا ہے۔

سچل سائیں کا سندھی کلام زیادہ تر بیتوں اور کافیوں پر مشتمل ہے۔ بیت سندھی شاعری کی قدیم صنف سخن ہے۔ شروع شروع میں سندھی ابیات دو مصرعوں کے ہوتے تھے مگر شاہ بھٹائی کے دور میں اور پھر سچل سائیں کے زمانے میں سندھی بیت کی ہئیتوں میں مصرعوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ ہئیت کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ معنوی تنوع بھی رونما ہوا مگر بیشتر مضامین وحدت الوجودی فکر کے آئینہ دار ہیں۔ مثال کے طور پر ایک بیت میں سچل سائیں فرماتے ہیں کہ "سچل کی نظر میں ہر طرف سچائی کا دور دورہ ہے کائنات میں یہ کثرت ایک ہی حسن حقیقت کا پرتو ہے اور ہر چیز میں خالق حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے"۔

بیت ہوں، یا کافیاں سندھی شاعری اور موسیقی میں چولی دامن کا رشتہ رہا ہے۔ جس طرح شاہ بھٹائی نے شاعری کے ساتھ ساتھ سندھی موسیقی کو روح کی راگنی بنایا اسی طرح سچل سائیں نے کلاسیکی روایات کو قائم رکھتے ہوئے بیتوں اور کافیوں کی نغمگی کو چار چاند لگانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کی مسحور کن اور وجد آور کافیاں آج بھی بڑی خوش الحانی سے گائی جاتی ہیں۔

سچل سائیں کے سندھی کلام میں جو کافیاں شامل ہیں وہ موسیقی کے مختلف راگوں اور راگنیوں سے تعلق رکھتی ہیں موضوعات کے لحاظ سے کافیوں میں مقامی رنگ آمیزی کے علاوہ سندھ کی عوامی کہانیوں کے کرداروں سے بھی عارفانہ علامتوں کا کام لیا گیا ہے مثلاً ایک کافی میں وہ کہتے ہیں "ہر طرف میرے محبوب کا پرتو ہے جس نے مجھے خواب سے بیدار کر دیا۔ وحدت سے عالم کثرت میں رنگا رنگی پیدا کی ہے۔ اے سہلیوں! من دتو کے پردے سے باہر آکر کیوں نہیں دیکھتی ہو۔ محبوب نے طرح طرح کی پوشاکوں میں اپنے آپ کو چھپالیا ہے۔ اے بہنوں! مجھے مت بہکاؤ، سب حسن و جمال اسی ہادی کا ہے یہ اسی کا ہنر ہے کہ سب کچھ ظاہر کر کے بھی خود چھپا رکھا ہے۔"

عارفانہ مضامین کے ساتھ ساتھ سچل سائیں نے اپنے دور کی سیاسی حالت کو بھی

شدت سے محسوس کیا۔ ان کی باطنی بصیرت نے ان خطرات کو بھانپ لیا تھا جو مغربی سامراج کی توسیع پسندی نے پیدا کئے تھے۔ وہ اپنے اہل وطن کو باخبر کرتے رہے کہ غفلت شعاری اور تن آسانی کو تیاگ کر سامراجی قوتوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی بھرپور کوششیں کریں۔

ایک بیت میں کہتے ہیں "میں نے دریا کی موجوں میں ایک کشتی دیکھی جس میں ماہر ملاح سوار تھے۔ وہ لوگ اپنے آپ کو بحر کا حاکم کہتے ہیں اور خود کو اتنا بہادر سمجھتے ہیں کہ ہند اور سندھ انکی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ انہیں اپنے آپ پر بہت غرور ہے وہ خود کو بادشاہ تصوّر کرتے ہیں حالانکہ بڑے مکار اور دغاباز ہیں افسوس کہ ہمارے سادہ لوح ہم وطنوں کو ان پر اعتماد ہے"۔

سچل سائیں کی سندھی شاعری میں وحدت ناموا ور جھولنو کی اہمیت بھی بیتوں اور کافیوں سے کم نہیں۔ وحدت نامو میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حمد و ثنا کے بعد یہ بتایا ہے کہ اس بھری کائنات میں انسان کی کیا فضیلت ہے۔ اس کے بعد ان اوصاف کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے جو انسان کو اعلیٰ ترین اخلاقی و روحانی بلندیوں پر پہنچاتے ہیں، جھولنو، میں اخلاقی تعلیم و تربیت کے لئے علامتی انداز میں سسی پنہوں کی رومانی کہانی کو اپنے بیتوں کا موضوع بنایا ہے۔ بنیادی طور پر جھولنو میں محبوب سے جدائی کے حوالے سے سسی کی بیقراری کا ہر پہلو اجاگر کیا گیا ہے جب اس کی تلاش میں نکل جاتی ہے۔ کوہ و بیاباں کی سنگلاخ راہیں کڑی آزمائشیں اور قدم قدم پر دکھ درد کی شدت وہ تن تنہا آخری دم تک جو رنج و غم سہتی ہے جھولنو میں سچل سائیں نے بڑے دلگداز الفاظ میں اسکی ثابت قدمی اور تلاش پیہم کو راہ طریقت سے ہمکنارے کیا ہے۔ سچل سرمست اپنے دور میں اردو کے بھی ممتاز شاعر تھے۔ سندھ میں اردو شاعری کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان سے پہلے ٹھٹھہ اور کئی دوسرے تہذیبی مرکزوں میں اردو شعر و ادب کا چرچہ تھا۔ سندھ کے شعراء سندھی، اردو اور فارسی تینوں زبانوں میں مشق سخن بہم پہنچاتے تھے۔ اس لحاظ سے سچل سائیں کو اردو شاعری کی جو روایات تہذیبی ورثے کے طور پر ملیں انہوں نے زبان و بیان کی ان روایتوں کو اپنے پیام و کلام میں بڑی خوش اسلوبی سے جذب کیا۔ اردو میں

انہوں نے زیادہ تر غزلوں اور قطعات پر طبع آزمائی کی ہے۔ جو بحریں اپنی غزلوں کے لئے سچل سائیں نے پسند کیں وہ بڑی مترنم ہیں۔ زبان عام فہم اور سادہ ہے۔ اظہار خیال میں بے باکی، بیساختگی اور روانی ہے۔ مضامین وہی ہیں جو حسن و محبت کی دلکشی سے عبارت ہیں۔ ایک غزل میں کہتے ہیں۔

مجھ کو فنا کرے گی جاناں تری جدائی
فرقت میں تیری در در کرتا ہوں میں گدائی
تیرے فراق سے میں دیوانہ بن چکا ہوں
مجھ کو ہوئی ہے حاصل الفت میں جگ ہنسائی
دو چار دن کا میلہ، دو چار دن فراقی
سیکھی کہاں سے تو نے یہ رسم آشنائی
واپس دے دل سچو کو کوچے میں جو پڑا ہے
سینے پہ اس کے نوبت الفت نے ہے بجائی

سچل سرمست نے اردو کلام میں زیادہ تر سچو تخلص برتا ہے۔ ان کے اشعار سے یہ احساس و ادراک بھی ہوتا ہے کہ اردو شاعری میں غزل کے حوالے سے جو لہجے دبستان دکن اور پھر دبستان دہلی میں پروان چڑھے وہ ان لہجوں سے واقفیت رکھتے تھے ہاں یہ بات الگ ہے کہ انہوں نے اپنے مزاج کے مطابق جو اسلوب بیاں اختیار کیا اس کی اپنی جداگانہ شناخت ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار۔

ملنے کو تیرے دلبر میں منتظر ہوا ہوں
بے زر غلام تیرا میں سربسر ہوا ہوں
تیرے ہی نام کا میں ہر دم رہوں گا عاشق
روزِ ازل سے سچو در کا تیرے گدا ہے
نازوں سے تو نے مارا عشاق کو اے ظالم
خون ریزی غریباں شاید تجھے روا ہے

سچل سائیں کے یہ اشعار جذبہ عشق کی والہانہ کیفیات کے مظہر ہیں۔ محبت کی ہمہ گیری اور محبوب کے حسن و جمال کی تاثیر فطری سادگی سے ان کے کلام کو دل آویز بناتی ہے۔ ان کے اردو کلام سے مقامی رنگ آمیزی بھی نمایاں ہے۔ جو زبان انہوں نے بے تکلفی اور بیساختگی سے استعمال کی ہے وہ سندھ کے لسانی مزاج سے مطابقت رکھتی ہے۔ ان کا لہجہ تصنع اور ہر قسم کے رسمی تکلفات سے پاک ہے۔ وہ جو کچھ محسوس کرتے ہیں وہی ان کی زبان پر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک اردو کافی میں کہتے ہیں۔

تاب سے ہوں بیتاب، میں تو تاب سے ہوں بیتاب
نا میں گویا، نا میں جویا، نا میں سوال و جواب
نا میں خاکی، نا میں بادی، نا میں آگ نہ آب
تاب سے ہوں بیتاب، میں تو تاب سے ہوں بیتاب

سچل سائیں فارسی زبان کے بھی بلند پایہ شاعر تھے۔ فارسی میں ان کا ایک دیوان زیادہ مشہور ہے جو "دیوان آشکار" کے نام سے موسوم ہے۔ دوسرا "دیوان خدائی" ہے۔ ان دونوں شعری مجموعوں میں زیادہ تر غزلیں ہیں اور فارسی شاعری میں انہوں نے "آشکار اور خدائی" کے تخلص سے غزلیں اور مثنویاں کہی ہیں۔

راز نامہ، وصلت نامہ، رہبر نامہ، درد نامہ، وحدت نامہ، تار نامہ، گداز نامہ اور عشق نامہ سچل سرمست کی مشہور و معروف فارسی مثنویوں کے نام ہیں۔ ان مثنویوں کے علاوہ بھی ان کی کئی اور فارسی تصانیف کا ذکر آتا ہے۔ ہزاروں اشعار پر مشتمل ان کی یہ تمام فارسی تصانیف تصوف کے مضامین و مسائل کا گنجینۂ معنی ہیں۔

فارسی کلام میں سچل سائیں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کو اولیت دی ہے۔ وہ حمد رب جلیل کے مضامین کو پورے رکھ رکھاؤ اور عقیدت و احترام سے پیش کرتے ہیں۔ ان بیشتر فارسی مثنویوں میں حمد باری تعالیٰ کے اشعار کا انداز بیاں بہت ہی دلکش و دل آویز ہے۔ مثلاً چند حمدیہ اشعار میں فرماتے ہیں۔

ابتدا اول بنام کرد گار
خالق ہفت و شش و پنج و چہار
آں خدا وندے کہ ہستی ذات اوست
ہر دو عالم مصحف آیات اوست
آں خدا وندے کہ آدم راز خاک
آفرید و داد اورا جان پاک

ترجمہ: "میں اپنے کلام کی ابتدا پروردگار کے نام سے کرتا ہوں جو سات آسمانوں، چھ سمتوں، پانچ حواسوں اور چار عنصروں کا خالق ہے۔ وہ خداوند حسن کا وجود حقیقی اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ دونوں عالم اس کی نشانیوں کے مظہر اور ایک کھلی کتاب کی طرح ہیں۔ اس نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا اور اس میں پاکیزہ روح پھونک دی"۔

حمد یہ اشعار کے ساتھ ساتھ سچل سرمست کا نعتیہ کلام بھی لاجواب ہے۔ انہوں نے نعتیہ اشعار کے ذریعے سیرت و کردار کی پاکیزگی اور اخلاقی و روحانی عظمتوں کی تعلیم دی ہے۔ وہ زندگی کی سیدھی سچی راہ پر ثابت قدمی سے چلنے کا درس دیتے ہیں۔ ہادی برحق، محب انسانیت سرور دو عالم، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رہبر کامل تسلیم کرتے ہوئے اپنے نعتیہ اشعار میں عقیدت و محبت کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا ہے۔

مصطفے آمد دریں رہ پیشوا
پیشوائے انبیا و اولیاء
مصطفے آمد دریں رہ پاکباز
سالکاں رارہنما و کار ساز
مصطفے راحق بہیں و حق بداں
تاشوی از ہر دو عالم بانشاں

راہ حقیقت کے رہبر حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو تمام نبیوں اور ولیوں کے پیشوا ہیں وہ اس راہ میں پاکباز رہنما کے طور پر سالکوں کے کار ساز ہیں۔ ان کو

چشم حقیقت سے دیکھو اور حق سمجھو تا کہ دونوں عالم میں سرخروئی اور سرفرازی نصیب ہو۔

حمد و نعت اور منقبت کے علاوہ سچل سائیں نے فارسی میں اخلاقی و روحانی موضوعات پر ہزاروں خوبصورت اشعار کا ایک سدا بہار گلستان سا کھلایا ہے۔ خصوصاً عشق کے موضوع پر تو ان کے پیام و کلام کی طرحداری اور معنوی گہرائی و گیرائی مثالی حیثیت رکھتی ہے مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں "جس طرح سہاگا چاندی کو پگھلا دیتا ہے کچھ ایسا ہی اثر عشق کا انسانی جسم پر ہوتا ہے تم کیا جانوں کہ میں نے گدائی کیوں اختیار کی ہے گدائی سے تو میں دو عالم میں بادشاہی کرتا ہوں"۔

عارفانہ، بیخودی اور سرشاری سچل سرمست کے کلام کو فکر و خیال کی انتہائی بلندیوں سے ہمکنار کرتی ہے۔ چند فارسی اشعار میں کہتے ہیں "میرے طائر خیال نے ایسی پرواز کی کہ مجھے لامکاں کی حدود میں پہنچا دیا۔ وہاں موج در موج ایک بحر بیکراں ہے۔ کبھی ابھارتا، کبھی ڈبوتا اور کبھی گرداب میں غوطے دیتا ہے۔ اس بحر بے کراں کی نہ کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔ آغاز ہے نہ انجام۔ ہر سو اور ہر جگہ اس کا آب رواں ہے۔ میں بھی اس بحر بے پایاں کی ایک موج ہوں۔ سرگشتہ و حیرت زدہ۔ میں آب رواں ہوں۔ ہر طرف اور ہر جگہ موجزن۔ یہ لذت آگاہی وہاں نصیب ہوتی ہے جہاں جسم و جاں کی حیل و حجت اور چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں۔ میں لامکاں کا ایک حیرت زدہ اڑتا پنچھی ہوں۔ حالانکہ اس خاکی پنجرے سے آزاد ہوں پھر بھی محو حیرت ہی رہتا ہوں"۔

حسن، صداقت اور محبت کی تلاش میں سچل سائیں کے گیان دھیان اور وجدان و عرفان کا حیرت زدہ پنچھی مکان و لامکان کی حدود و قیود سے بالاتر ہو کر مائل پرواز رہا اور انکی بے چین روح اک ایسے بحر بیکراں میں تیرتی رہی جسکی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ کوئی انتہا۔ البتہ گاہے گاہے اس اڑتے پنچھی کی لذت آگاہی یہ سوال اٹھاتی رہی کون ہوں میں کون ہوں؟ اور اس سوال کا جواب ان کو اپنے نہاں خانہ دل سے بس یہی ملا کہ "حق موجود سدا موجود"۔ سچل سائیں سرائیکی زبان کے بھی عظیم شاعر تھے۔ ان کے سرائیکی کلام کی ایک ضخیم کلیات میں طرح طرح کے ڈھیڑوں اور کافیوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ فکر و خیال کی جو رعنائی اور مسحور کن نغمگی ان کے سندھی، فارسی اور اردو کلام میں ہے وہی

سرائیکی کافیوں ڈوھیڑوں میں نمایاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سچل سائیں کی سرائیکی شاعری کے اثرات خواجہ غلام فرید اور بعد میں کئی دوسرے صوفی شعراء کے کلام پر پڑے ہیں۔

حمد و نعت کے مضامین ان کی سرائیکی شاعری میں بھی بڑے والہانہ انداز میں پیش کئے گئے ہیں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور مناجات کے طور پر فرماتے ہیں" اے خالق و مالک میں تیرا ناچیز بندہ ہوں جیسا بھی ہوں میرے گناہوں اور خطاؤں سے تو باخبر ہے۔ تیری ذات و صفات میں ستاری و غفاری کی رحمتیں ہیں۔ میں تیرے آسرے پر ہوں۔ میرے عیبوں اور گناہوں کی پردہ داری کرتے ہوئے مجھے معاف کر دینا۔"

سچل سائیں کا نعتیہ کلام سرائیکی زبان و ادب کا مقدس سرمایہ ہے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ رسالت میں عقیدت و محبت کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں" محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے نبیوں کے سرتاج ہیں اور علم و عرفان کا بحر مواج ہیں۔ قاب قوسین کی حیثیت ان کے نزدیک ادنیٰ ہے۔ وہ شرف شب معراج ہیں۔ اس امت کو کوئی غم کیوں ہو جس کی لاج ان کے دامن رحمت سے وابستہ ہو۔ سچل کو کوئی غم اور کوئی فکر کیوں رہے جب ان کے لطف و کرم نے کسی احتیاج کی گنجائش ہی نہ چھوڑی ہو"۔

سچل سائیں کے سرائیکی کلام میں حسن و عشق کے مضامین قدر مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حسن محبوب کی توصیف میں ایک جگہ انہوں نے کہا کہ "میرے محبوب کا مکھڑا چاند سے کہیں بڑھ کر ہے۔ شاہ و گدا اور پیر و میر سب اسکی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ جن کے دل میں گھر کر لیا ہے۔ سوہنے یار کی آنکھوں کو خالق کائنات نے خاص خوبیوں والا بنایا ہے اس کے پیارے پیارے مکھڑے یں لعل یاقوت اور ہیرے چمک رہے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے حسین مصحف پر خوبصورت موتیوں کے حاشیے کھنچے ہوں۔

عشق حقیقی میں طرح طرح کے دکھ درد سہنا اور ہجر و فراق میں ایثار قربانی کی راہ پر ثابت قدم رہنا سچے عاشق کا شیوہ ہے۔ سچل سائیں اس بارے میں کہتے ہیں "مصائب و آلام اور دکھ درد جھیلنا مردوں کا کام ہے۔ عاشقوں کا یہ دستور نہیں کہ کسی وقت بھی محبوب کو بھولیں بغیر دلبر کے ایک گھڑی بھی تنہا گزارنا ان کے لئے روز حشر کی طرح ہے۔ درد مندوں کی زندگی یہی ہے کہ وہ ہر ساعت اور ہر گھڑی اپنے محبوب کے تصور میں

رہیں۔ ادھر اُدھر اپنی نگاہوں کو نہ بھٹکائیں اے سچل سجن کا کام دھیرے دھیرے مار کر زندگی دینا ہے"۔

حسن و عشق کے رنگا رنگ مضامین سچل سائیں کے سرائیکی کلام میں عوامی کہانیوں اور مشہور و معروف رومانی داستانوں کے کرداروں سے بھی ماخوذ ہیں۔ ان کرداروں کو انہوں نے علامات کے طور پر برتا ہے۔ ان کے ڈوھیڑوں، کافیوں اور سی حرفیوں میں نہ صرف اپنے دیس کی عوامی کہانیوں کا خمیر شامل ہے بلکہ عربی اور عجمی داستانوں سے بھی کسب فیض کیا ہے۔ علاوہ ازیں موسیقی سے جو دلچسپی ان کو بہر طور رہی تھی اس کے مطابق انہوں نے مختلف راگوں اور راگنیوں کے کیف و سرور کو برقرار رکھا ہے۔

سچل سائیں کی شاعری میں ایک بہت ہی وجد آفریں، مسحور کن اور نغمگی سے بھرپور صنف سخن، گھڑولی ہے۔ اردو شاعری میں اس قسم کی کچھ مثالیں گاگر کی صورت میں موجود ہیں جن کو عموماً صوفی بزرگوں کے عرس میں گایا جاتا ہے۔ اس روایت کو سچل سائیں نے گھڑولی کی شکل میں جو دلکشی عطا کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کی گھڑولی مختلف بندوں کی سج دھج میں اظہار عقیدت اور پیر ان طریقت سے محبت کی آئینہ دار ہے ہر بند کے آخر میں جو بول بار بار دہرائے جاتے ہیں ان سے گھڑولی کی نغمگی اور معنوی اثر انگیزی میں یر کیف اضافہ ہوتا ہے۔

سچل سائیں کی عارفانہ قادر الکلامی کا کمال یہ ہے کہ وہ سرمستی اور بیخودی میں بھی اپنے خالق و مالک کی عظمت و رفعت کو یاد رکھتے ہیں بقول ان کے "گھڑی بھر کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے لو لگانا بادشاہی سے بہتر ہے۔ اگر ملک سلیمان، لاکھوں سپاہی، حکم بردار جن و ملک اور پریاں بھی حاصل ہوں تو کیا، اے سچل! عشق گواہی دیتا ہے کہ ان سب سے یاد محبوب کی ایک ساعت بھی کہیں بہتر و برتر ہے۔ میں زہد و تقویٰ کا طالب نہیں محبت کی مستی کا بھکاری ہوں"۔

واقعی وہ پرستار محبت تھے اور محویت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ کھانے پینے اور تن من کا ہوش بھی نہ رہتا تھا۔ ان کے پیر و مرشد اور چچا بزرگوار خواجہ عبدالحق جب تک حیات رہے وہ سچل سائیں سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور انکی تمام ضرورتوں کا خیال رکھتے تھے

لیکن اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب ان کو گھر میں نہ پاتے اور تلاش کرنے نکلتے تو بستی سے دور کسی جنگل یا ویرانے میں دیکھتے کہ سچل سرمست چپ چاپ گوشۂ تنہائی میں محو عبادت ہیں یا ہر طرف سے بے نیاز ہو کر حیات و کائنات کی گہری گہری سوچوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

شکل و صورت اور قد و قامت کے اعتبار سے وہ بڑے خوش جمال تھے۔ نورانی چہرہ درمیانہ قد، سفید اور گھنی داڑھی، کشادہ پیشانی، روشن آنکھیں، سر پر سبز رنگ کا فقیرانہ کلاہ اور ہمیشہ سفید لباس پسند کرتے تھے۔ زندگی بڑی سادگی پسند تھی۔ خوراک بہت کم اور انتہائی سادہ تھی۔ اکثر لسی میں نمک مرچ ملا کر اسی سے روٹی کھالیتے تھے۔ شروع شروع میں گوشت کا شوربہ مرغوب تھا مگر رفتہ رفتہ وہ بھی ترک کر دیا تھا اور رات کو بکری کے دودھ میں موٹے اناج کی روٹی چور کر کھانا پسند کرتے تھے اور زیادہ تر روزہ رکھتے تھے۔

عبادت و ریاضت اور خدمت خلق کا یہ عالم تھا کہ صرف دوپہر کو لکڑی کے تخت یا فرش زمین پر کچھ دیر سو لیتے تھے مگر رات کا زیادہ حصہ ذکر و فکر میں بسر ہوتا تھا۔ دن کو غریبوں مسکینوں اور محتاجوں کی خدمت کرتے اور مظلوموں کی حمایت ہمدردی میں پیش پیش رہتے اسی لئے ہر مذہب ہر فرقے اور ہر طبقے کے لوگ ان کے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔ یہی نہیں بلکہ اس دور کے تالپور حکمرانوں کو بھی سچل سرمست کی شخصیت اور شاعری سے بڑی عقیدت تھی۔

سچل سائیں کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ کئی زبانوں پر عبور رکھنے اور شاعر ہفت زبان ہونے کے باوجود تصنیف و تالیف کے کاموں سے بے نیاز رہے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے 9 لاکھ سے زیادہ اشعار مختلف زبانوں میں کہے مگر اتنا بڑا ذخیرہ شعری زیادہ تر ان کے مریدوں اور عقیدت مندوں نے تحریر کیا یا پھر سینوں میں محفوظ رہا اور بعد کو لکھا گیا۔ بہر کیف ان کی وسعت نظری، کشادہ قلبی اور انسان دوستی کا یہ ایک لافانی کارنامہ ہے کہ انہوں نے شاعر حق نوا کی حیثیت سے اپنے متصوفانہ پیام و کلام کو ان تمام زبانوں میں پیش کیا جو سندھ اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی تھیں۔

شاعری کے علاوہ حضرت سچل سرمست کی ایک نثری کتاب نکتہ تصوف کے نام سے موسوم ہے جس میں انہوں نے تصوف کے رموز و نکات بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب

فارسی زبان میں ہے۔ اس میں سچل سائیں نے طالبان کو طریقت کی تعلیم دی ہے مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں "اے عزیز طالب کو چاہئے کہ اپنے دل کی پرورش توحید کے پانی سے کرے اور روح کو ظہور حق کے انوار سے بھر دے"۔

سچل سائیں نے طویل عمر پائی وہ قریب 90 برس تک حیات رہے اور جسمانی صحت ہمیشہ اچھی رہی۔ دور دور سے ان کے عقیدت مند اور مرید حاضر خدمت ہوتے تھے اور وہ بڑی شفقت و محبت سے ان کی دلجوئی کرتے تھے۔ زندگی بھر وہ درازہ شریف ہی میں قیام پذیر رہے اور جب پیمانہ حیات لبریز ہو گیا تو 14 رمضان المبارک 1242ھ کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

ہر سال درازہ شریف میں سچل سائیں کا عرس رمضان شریف کی انہیں وسطی تاریخوں میں ہوتا ہے۔ ہزاروں زائرین اور ان کے پیام و کلام کے شیدائی عرس میں شرکت کر کے روحانی کیف و سرور حاصل کرتے ہیں۔ اس موقع پر ادبی کانفرنس اور کئی دوسری ثقافتی تقاریب کے ساتھ ساتھ سچل سائیں کی کافیوں کو مخصوص انداز میں پیش کرنے والے فنکاروں اور ان کے روایتی فقیروں کا کمال فن بھی بہت ہی روح پرور سماں پیش کرتا ہے۔

حضرت سچل سرمست۔ بحیثیت سرائیکی صوفی شاعر

جاوید احسن

انبیاء عظامؑ اور اُن کے اصحاب کبارؓ کے بعد جن لوگوں نے معرفت حق اور مکارمِ اخلاق کی قندیلیں روشن رکھیں۔ ان میں صوفیاء کرام کو اولیت حاصل ہے۔ ان بندگان خدِامست نے دنیا کے ہر خطے، ہر عہد اور ہر قوم میں روحانیت، نیکی، سچائی انسان دوستی اور احترامِ انسانیت کی اعلیٰ اور آفاقی اقدار کو جس خلوص و محبت سے آگے بڑھایا اور پھیلایا وہ انہیں کا حصّہ ہے۔ در اصل تصوف تزکیہء نفس اور تطہیر قلب کے ذریعہ قرب الٰہی کا نام ہے۔ جس کی بنیاد نظریہء وحدت الوجود پر رکھی گئی ہے۔ وحدت الوجود کا نظریہ زمانہ قدیم سے مختلف مذاہب اور مختلف قوموں میں مختلف ناموں سے رائج رہا ہے۔ لیکن تصوف کی موجودہ اصطلاح دوسری صدی ہجری میں مسلمان زہاد نے قائم کی ہے اور اپنے لئے صوفی کا لقب اختیار کیا۔ اس تحریک کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قرون اولیٰ کے بعد جب طاغوتی طاقتوں اور گمراہ فرقوں کی سازشوں کے سبب مسلمانوں کی دینی مرکزیت قائم نہ رہی اور ایک خاص منصوبے کے تحت دین اور سیاست کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا گیا۔ تو بزرگانِ دین نے امور دینیہ کی نگہداشت کیلئے حکمت عملی اختیار کی اور مختلف جماعتوں میں تقسیم ہو کر مختلف شعبوں کو سنبھالنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ جن لوگوں نے "ورتل القرآن ترتیلا" کے حکم کی تعمیل کی وہ قراء مشہور ہوئے۔ جنہوں نے مفہوم

قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی وہ مفسر کہلائے۔ جنہوں نے تدوین حدیث کی خدمت انجام دی۔ وہ محدث کے لقب سے ملقب ہوئے اور جنہوں نے اصحاب صفّہ کی پیروی کی انہیں زہاد کہا جانے لگا۔ ان لوگوں کی مقبولیت سے متاثر ہو کر جب گمراہ فرقوں نے بھی اپنے عابدوں کو "زہاد" کے لقب سے پکارنا شروع کیا تو اہل حق نے اس تلبیس سے بچنے کے لئے اپنے لئے اہل تصوّف کی اصطلاح تجویز کی اور زاہد کی بجائے صوفی کہلانے لگے۔ اُس وقت تصوف اس تعلیم و عمل کا نام تھا جس کو اصطلاح شرع میں "احسان" کہتے ہیں بقول سید سلیمان ندوی: "لفظِ تصوف کا لفظِ احسان کے ساتھ ایسا تعلق ہے۔ جیسے حکمت کے ساتھ فلسفہ بول دیا جاتا ہے۔" چنانچہ اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ اس تحریک کے اولین رہنما علماء کے طبقے سے تھے مگر پانچویں صدی ہجری کے آغاز سے تصوف کو ایک خاص علمی قالب میں ڈھال لیا گیا اور اس نے ایک مستقل فلسفہ کی صورت اختیار کر لی۔

صوفیاء نے شریعت کے مقابلے میں طریقت کی بنیاد ڈالی اور ظاہری علوم کے مقابلے میں باطنی علوم کو اہمیت دینے لگے۔ اس طرح فقہ اور تصوف کی سرحدیں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہو گئیں۔ حضرت سچل سرمست اس مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں۔

عشق جنہاں کوں غمزہ لایا، اوہے کتاب نہ پڑھسن
وچ کُفر، اسلام، مذاہب، عاشق آڑاں نہ اڑسن
مارنقارہ اناالحق دا سچل، سُولی پر آچڑھسن

دراصل حقیقت تک پہنچنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک کسبی اور دوسرا وہبی۔ کسبی طریقہ میں انسان عقل و شعور اور علم و فضل کو مشعلِ راہ بناتا ہے۔ اور وہبی طریقہ اپنے من میں ڈوب کر چراغِ زندگی پانے کا نام ہے۔ صوفیاء اس دوسرے طریقے کو اپنا کر کشف خاص حاصل کرتے ہیں۔ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی تاریخ کے حوالے سے یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں رشی، منّی، سنیاسی اور بیراگی وغیرہ قسم کے گیانی، دھیانی لوگوں کے مقابلے میں صوفیاء کرام نے ہر جگہ اپنی سیرت و کردار کی تجلیات سے نہ صرف

لوگوں کو متاثر کیا بلکہ منو سمرتی کی تعمیات کے ٹھکرائے ہوئے ہریجنوں کو اپنے دامنِ محبت میں پناہ دے کر درجہ انسانیت دیا اور سرزمینِ ہند و سندھ کے دشت و دمن نورِ اسلام سے جگمگا اُٹھے۔ حقیقتاً صوفیاء کرام ہی وہ لوگ ہیں جو فقر کی دولت سے مالامال ہوتے ہیں۔ جن کا فقر متاع کروفر کو شرماتا ہے۔ ان کی بارگاہ میں اطمینانِ قلب کی وہ دولت ملتی ہے۔ جسے تلاش کرنے کے لئے فقیر سے لے کر بادشاہ تک آتے ہیں۔ اور من کی مراد پاتے ہیں۔

تھکی ہاری انسانیت ان کے سایہء عاطفت میں پناہ پاتی ہے۔ ان کے کلام میں محبت کا زمزم بہتا ہے ان کی آنکھیں صراطِ حق کی رہنمائی کرتی ہیں ان کا اخلاق اور اُن کے اطوار انسانی عظمت سے روشناس کراتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں امیر غریب اور اپنے پرائے کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ ان کی مجلس تعبیر انسانیت کی درسگاہ ہوتی ہے۔ جہاں نیکی کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ جہاں انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ معلوم ہوتی ہے، جہاں تہذیب و شائستگی کے بلند ترین معماروں کو دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ اور ارتقاء بشر کی معراج نظر آتی ہے۔ ان بزرگوں کی عبادتوں اور معاملات کی حیثیت ایک پارس کی ہوتی ہے۔ جس سے لوہے کا جو ذرّہ چھو جائے سونا بن جاتا ہے۔ بقول علامہ اقبال:

پوچھ ان خرقہ پوشوں کی،
ارادت ہو تو دیکھ ان کو،
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں،
اپنی آستینوں میں۔

یہ صوفیاء کی معجز نما نگاہوں، دل پذیر باتوں اور ہمہ گیر تعلیمات کا اثر تھا کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ہندو فلسفیوں اور جوگیوں میں اسلام کے بنیادی تصورات اثر پذیر ہوئے اور وہ توحید وجودی اور اخوتِ انسانی کا گیت الاپنے لگے۔

سندھ و ہند کے اکثر صوفیاء چونکہ شیخ اکبر حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود کے قائل و شیدا تھے۔ اس لئے یہاں کے صوفی شعراء کا پسندیدہ موضوع بھی یہی رہا ہے اور اُن کے کلام کا زیادہ تر حصّہ وحدت الوجود کی تشریح و تبلیغ پر مشتمل ہے۔

حضرت محی الدین ابن العربیؒ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تیرھویں صدی عیسوی سے اب تک تصوف کا سارا ادب اُنہی کے نظریات و افکار کا عکس دکھائی دیتا ہے اس میں تخلیقی تصور طرز احساس اور اندازِ بیان تو ہر شاعر کا جداگانہ ہے۔ اور قدرتی امر کے مطابق ہونا بھی چاہیے، لیکن فکر کی ہر لہر ایک ہی سمندر سے پیدا ہوتی ہے۔

حضرت سچل سرمست سندھ میں تصوف کے اہم مرکز در ازا سے تعلق رکھتے ہیں۔ در ازا کی صوفیاء تحریک کے بانی آپ کے دادا حضرت شیخ محمد حافظ المعروف فقیر صاحب ڈنہ فاروقی تھے۔ آپ کے جد امجد شیخ شہاب الدین غازی محمد بن قاسم کے ہمراہ سندھ آئے تھے اور یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ حضرت سچل سرمست کے والد کا نام میاں صلاح الدین تھا۔ آپ 1739ء میں درازا میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا چنانچہ آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت آپ کے دادا حضرت صاحب ڈنہ نے کی حضرت صاحب ڈنہ صاحبِ علم و عرفان بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ سندھی اور سرائیکی کے بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ دادا کے بعد آپ نے اپنے صاحب دل چچا حضرت میاں عبدالحق سے فیض حاصل کیا۔ آپ کا اصل نام شیخ عبدالوہاب تھا۔ آپ چونکہ بچپن سے فقیری کی طرف مائل اور سچی بات کہنے کے عادی تھے۔ اس لئے انہیں اس صفت کے باعث سچو، سچل اور سچیڈنہ کے لقب سے پکارا جانے لگا۔ حضرت سچل سرمست نے اپنے چچا میاں عبدالحق کی زیر ہدایت سلوک و احسان کی منازل طے کیں۔ اور چالیس سال کی عمر میں ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ چنانچہ فقیری اور شاعری آپ کو ورثے میں ملی۔ آپ اپنے روحانی سلسلے کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ڈاڈا جان محمد حافظ وچ درازیں دیرا
دست تہیں دے اصلوں آہا، سارا مقصد میرا
ہادی مہدی مرشد میڈا، قادریہ ہے کامل
عارف عبدالحق ہر دم، نال مریداں شامل
مہدی شاہ عربی میڈا ، رہبر راہ ڈسیندا ۔

—حضرت سچل سرمست بحیثیت سرائیکی صوفی شاعر—

حق محقق مستی مئے دی، بے شک او بخشیندا
شاہ عبداللہ اساڈا، خواجہ پیراں پیراں
آل نبیؐ اولادِ علیؓ ہے حضرت میراں میراں
نام ہے جس داغوث الاعظمؒ مرشد کل اولیاواں
قدم مبارک ہو یا تحقیق، گردن سبھ سر تاجاں

آپ صاحبِ حال و قال بزرگ کے ساتھ ساتھ شاعر ہفت زبان تسلیم کئے گئے ہیں۔ ہندی، سندھی، سرائیکی، اردو اور فارسی میں تو آپ نے کافی شعری ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ آپ اردو اور فارسی میں آشکار، سندھی اور سرائیکی میں سچل اور سچّو تخلص کرتے تھے آپ چونکہ زیادہ تر ذکر و فکر میں محو رہتے تھے۔ اور آپ پر اکثر جذب و مستی کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ اسلئے "سرمست" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ سرزمین سندھ میں صوفیانہ سرائیکی شاعری کے نمائندہ اور زندہ جاوید شاعر ہیں۔ آپ نے اپنی سرائیکی شاعری میں کافیاں، ڈوھیڑے، سی حرفیاں اور گھڑولیاں کہی ہیں۔ جن کا مرکزی موضوع وحدت الوجود ہے۔ آپ پنجاب کے صوفی شعراء مادھولال حسین، سلطان باہو، بابا بلھے شاہ کے صوفیانہ افکار اور رنگِ کلام سے بہت متاثر تھے، بالخصوص بابا بلّھے شاہ کے ترک ماسوا اور وحدت پرستی کے شیدا و کشتہ تھے۔ ان کے متعلق ایک مقام پر فرماتے ہیں

بلّھے شاہ کوں بیراگی کیتوئی، جنہاں دا شہر قصور

حضرت بلّھے شاہ مشہور روحانی مرکز "اُچ شریف" سے تعلق رکھنے کے علاوہ سلسلہء قادریہ کے عظیم روحانی پیشوا، عارف کامل اور بلند پایہ صوفی شاعر تھے۔ وہ روحانیت کے اس بلند مقام پر فائز تھے۔ جہاں مالک محبوبِ حقیقی کو برملا دیکھتا ہے اور ایک بے تکلف دوست کی طرح اس سے حکایت کرتا ہے۔ ان کے مقابلے میں حضرت سچل سرمست ذاتِ احد کی تجلیوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں حق تعالیٰ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اس عالمِ جذب و سپردگی میں 'من و تو' کا امتیاز مٹ جاتا ہے اور وہ پکار اُٹھتا ہے۔

میں خدا خدائی اپنی خود وچ آپیوسے
اے سب حسن اساڈا، ہویا جنہیں وچ آکھڑیوسے
چار مکان رہے و نج کتھاں، کتھ مکان کیئوسے
لا مکان مکان اساڈا، سچل نام گیوسے

نظریہء وحدت الوجود کے عظیم داعی حضرت ابن العربی کی طرح سچل سرمست کے نزدیک بھی وجود مطلق صرف ایک ہے اور وجود من حیث الوجود محض "خیر" ہے اسلئے "شر" کا کوئی وجود نہیں۔ ایک کافی میں فرماتے ہیں۔

نہ کوئی دوزخ نہ کوئی جنت نہ کوئی حور و قصور
من اساڈا نہیں منیندا، ملیاں دانڈ کور
ظاہر ڈٹھم یار سُجن دا، نیناں والا نور
سچل سچ صحیح کر جانی، ہئین تو آپ حضور!

حضرت خواجہ غلام فرید اس نظریے کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نہ کوئی آدم، نہ کوئی شیطان
بن گئی اے کل کوڑ کہانی۔

حضرت سچل سرمست کے نزدیک وجود مطلق صرف خدا کی ذات ہے باقی سب تعینات ہیں۔ انسان اپنے مصوّر حقیقی سے صادر ہو کر اسی کی طرف مراجعت کر جاتا ہے۔ یعنی ہمارا آغازِ سفر بھی ذات الاہی سے ہے اور منزلِ مقصود بھی وہی ہے۔ وہ انسان کو اپنی اصل کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کیتھوں اُڈر آیائیں بکھیڑا پردیسی
کیتھ اکھیرا کتھ تساڈیاں جائیں
چلڑ کیتے درسن بکھیڑا متاں پر پُسپائیں
جتھوں ہو یا آوڑ تساڈا ویسیں اُڈر اُڈاہیں
اِتھاں اُتھاں میل تساڈا سچو یار سُٹائیں

صوفیا کے نزدیک ذاتِ خداوندی ایک بحر کنار ہے اور اشیائے کائنات اس کی سطح پر بلبلے کی حیثیت رکھتی ہے، جن کا اپنا کوئی وجود نہیں۔ وہی ایک ذات ہر مظہر کی اصل اور تعیّن کی حقیقت ہے۔ سچل سرمست فرماتے ہیں۔

عاشق، عشق، معشوق ہکو ہے کیتیں جور جدائی دا
خاکی محل بٹا کر رہیں آدم نام سڈائی دا
بے رنگ تصویر مولادی سور نگیں وچ سمایا ہے
آپے گاتا آپ بجاتا، آپے سمیع بصیر!

ان خیالات کی بنیاد حضرت ابن عربی کا یہ نظریہ تخلیق ہے کہ ازل کے دن جب ذات حق کے سوا کوئی موجود نہیں تھا تو اس نے "کُن" کسی اور سے نہیں بلکہ اپنے آپ سے کہا تھا، کیونکہ اور تھا ہی نہیں کہ ہو جاتا۔ عدم بھی نہیں تھا کیونکہ اگر عدم ہوتا تو ابن عربی کے بقول اس کا بھی وجود ہوتا۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے "کُن" کہہ کر مخلوق کے اندر خود اپنے آپ کو جلوہ آرا کر دیا۔ اس بارے میں حضرت سچل سرمست کا "الوہی مکاشفہ" سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ ملاحظہ ہو ایک کافی کے کچھ بند:

اساں نہ کہیں دے جائے ہوں
اساں نہ کہیں دے نپائے ہوں
اصل آس لامکانی
اتھاں آکر ہویم مکانی
تکیہ جوڑ کیتم انسانی
صورت سب سمائے ہوں
ڈتی آہی عشق ولائی
سانوں پاک منزہ جائی
ساڈی ذات صفات سچائی
جائے کہیں نہ چمائے ہوں۔

مائی باپ نہ میرا کوئی
بے حد آہس حد نہ کوئی
ہر جا ساڈی سیر سیوئی
سَچُو آپ سڈائے ہوں۔

حضرت غوث الاعظمؒ صوفیا کے اس کشفِ خاص کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس وقت سالک اپنی قلبی واردات میں گم ہو کر مشاہدہ ذات کی لذت سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ تو اس وقت اُن کو اپنی ذات کا احساس نہیں رہتا اور وہ لا موجود الا اللہ پکار اُٹھتے ہیں۔ سچل کی واردات ملاحظہ ہو۔

چھوڑ گمان گدائی والا
شملہ چابدھ شاہی دا،
مار نقارا وحدت والا
کم کر کجکلا ہی دا،
آپ سنجان اناالحق آکھیں،
ماٹیں عیش الاہی دا۔
نفی سچل اثبات کریندا
ڈیکھو سیر سپاہی دا۔

حضرت ابن العربی کے مطابق وجودِ عالم کا سبب خدا تعالیٰ کی حرکت حُبیّ ہے جس کی بہترین توضیح حضرت خواجہ غلام فرید کے ان اشعار سے ہوتی ہے۔

کُنتُ کنزاً عشق گواہی،
پہلے حُب خود ذات کوں آہی
جیں سانگھے تھیا جمل جہاں
عشق ہے دکھڑے دل دی شادی
عشق ہے مرشد رہبر! ہادی
عشق اساڈا ایہیں، جیں کل راز سمجھایا!

حضرت سچل سرمست کے نظریہء وحدت الوجود کی بنیاد بھی یہی جذبہ عشق ہے۔ جو کائنات کی تخلیق کا باعث، تصوف کی غایت الغائیات اور صوفیا کا دین ایمان ہے یہ جذبہ سچل کی شاعری میں ہر جگہ ابھرتا نظر آتا ہے۔ چند بند بطور نمونہ پیشِ خدمت ہیں۔

میں طالب زہد نہ تقویٰ دا
ہک منگاں محبت مستی!
سچل مستی مول نہ تھیوے
جاں جاں ہووے ہستی !
جتھاں بھڑکے باہ برہ دی
طالب ویندے تتھاں
مشتاقاں دی منزل ڈیکھو
قدم دھریو نے کتھاں
لوک نہ پاوے جا اتھائیں
عاشق ویندے جتھاں
سچل سالک لنگھ اگے پئے،
اساں رہیو سے ایتھاں

مسئلہ وحدت الوجود چونکہ نہایت ادق اور عامتہ الناس کی ذہنی دسترس سے باہر ہے۔ اس لئے صوفی شعراء اپنے افکار کے اظہار کے لئے اکثر علامات کا سہارا لیتے ہیں۔ حضرت سچل سرمست بھی اپنے کلام میں ہیر رانجھا کی مشہور عشقیہ داستان کو تمثیلی مفہوم دے کر اس کے کرداروں کی تعبیر عارفانہ رنگ میں کرتے ہیں۔ چند بیت ملاحظہ ہوں۔

دائم دل وچ پاویں جھاتی، رمز لہیں روحانی
جان سچو بن عشق رانجھن دے ڈوجھی سب نادانی
رانجھو کھیڑا ڈوہیں میں ہاں، ہیر رہی وچ کتھے کتھے
جھنگ سیال تے تخت ہزارا، ڈوہیں ڈھم اتھے اتھے

اساں پیو سے ونج اتھائیں ناں کہیں داتھے تتھے
گم ہوئی بھی ہیر اتھائیں موج وڑھی آ جتھے جتھے
سچو صاحب ہکو آہا، دل نہ کائی وتھے وتھے
میں رانجھے دی رانجھن میڈا، کھیڑا کوں بلائیں؟
لوکاں لیکھے چاک منجھیں دا۔ رانجھن سردا سائیں۔
نال رانجھن دے کیوں نہ چراواں، منجھیاں کٹیاں گائیں۔

ان اشعار میں رانجھن، ہیر، کھیڑا، تخت ہزارا اور جھنگ سیال، عشق حقیقی کے رموز و نکات کی علامات کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ اس طرح اُنہوں نے باطنی معاملات کی باطنی رمزیت کے اظہار کے لئے کئی اور علامات بھی برتی ہیں جن میں "مئے" پیالی وغیرہ شامل ہیں۔ مختصراً وحدت الوجود اور عشق کا احترام، آدمیت اور تعمیر انسانیت کے بنیادی فلسفے کی حیثیت رکھتے ہیں اور حضرت سچل سرمست کے محبوب موضوعات ہیں جن کو وہ کئی انداز سے بیان کرتے ہیں۔ حضرت سچل سرمست کا کارنامہ یہ ہے کہ اُنہوں نے وادیٔ سندھ کی دو عظیم لوک زبانوں سندھی اور سرائیکی کو اپنے صوفیانہ افکار کا ذریعہ اظہار بنا کر نہ صرف ان زبانوں کو ادبی درجہ اور وسعت دی بلکہ ان زبانوں کے بولنے والوں کو ایک روحانی رشتہ میں پرو کر قومی یکجہتی کو فروغ دیا۔ سچل چونکہ انسانی وحدت اور تکریم آدمیت کا داعی تھا، اسلئے وہ اپنے کلام میں رنگ و نسل اور قوم و ملک کی بنیاد پر گروھی امتیازات و تعصّبات کی نفی کرتا ہے۔

ناوت ہندی، سندھی، شامی، ناوت زنگی رومی،
سچل کتھ نہیں کوئی پیدا ہویا وچ معدومی،

ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان میں قومی یکجہتی کے فروغ کے لئے ان صوفی شعراء کی تعلیمات کو عام کیا جائے جو انسان دوستی، مذہبی رواداری، بے نفسی اور نیکی کے لازوال سرچشموں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

سچل سرمست رح

ڈاکٹر ممتاز حسین پٹھان

انسان عموماً خود غرض اور لالچی ہوتا ہے اور کسی دوسرے کو ترقی کرتا اور خوشحال ہوتا دیکھ کر اس کے دل میں حسد کا جذبہ نہایت تیزی سے پیدا ہونے لگتا ہے اور پھر وہ اس کوشش میں لگ جاتا ہے کہ وہ کس طرح اپنے حریف کو نیچا دکھا کر گمنامی کے غار میں دھکیل دے۔ حسد اور خود غرضی چونکہ انسان کے اخلاق و کردار سے وابستہ ہے اس لئے لوگوں میں مختلف اخلاقی نظریے، فلسفے اور عقیدے وجود میں آنے لگے اور اس طرح ذات پات اور چھوٹے بڑے کے بہت سے اختلافات اور تفرقے پیدا ہو گئے۔ فتنہ و فساد اور تفرقہ بازی کی قوتوں کے مقابلہ میں قدرت ہمیشہ بنی نوع انسان کی بھلائی اور رہبری کی راہیں بھی روشن رکھتی رہی ہے جس کے نتیجے میں ہر دور میں دنیا کے ہر ملک اور خطے میں ایسے انسان پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جنہوں نے آپس میں لوگوں کو اتحاد و اتفاق سے رہنے کی تلقین کی ہے۔ اور ایک دوسرے سے محبت اور الفت کے رشتے استوار کرنے کی تبلیغ کی ہے۔ اس لحاظ سے وادیٔ سندھ میں بھی ماضی میں کئی مصلح پیدا ہوئے جن میں سچل سرمستؒ کا اسم گرامی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

سچل سرمست کلہوڑوں کے آخری اور تالپروں کے ابتدائی دور حکومت کی پیداوار تھے کلہوڑہ اور تالپور دونوں قومیں ایران کے راستے سندھ میں وارد ہوئیں اور ہمیشہ

کے لئے یہاں آباد ہو گئیں۔ اور بعد میں یہاں حکمران بن گئیں۔ بد قسمتی سے ان دنوں یہاں انتشار اور افراتفری کے حالات تھے۔ نادر شاہ سندھ پر حملہ آور ہوا تو دوسری طرف مدد خان پٹھان کے حملے جاری تھے۔ ان پے در پے حملوں نے ملک کے حالات انتہائی کمزور اور دگرگوں بنا دیئے تھے۔ علاوہ ازیں کلہوڑہ حکمرانوں نے سخت گیر مذہبی پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ بہر حال غیر ملکی حملہ آوروں چیرہ دستیوں، اندرونی خلفشار اور طوائف الملوکی کی وجہ سے لوگ اقتصادی طور پر پستی اور ذہنی بے چینی کے شکار تھے مزید براں، مختلف عقائد اور طبقاتی کشمکش کی وجہ سے عوام میں کوئی اتفاق اور اتحاد قائم نہیں رہا تھا۔ ایسے سنگین حالات میں سچل سرمست میدانِ عمل میں آئے اور انتہائی بیباکی سے لوگوں کو امید اور الفت کا انسانیت آموز سبق دیا۔

سچل سرمست 1152ھ مطابق 1739ء میں درازا کے گاؤں میں تولد ہوئے آپ بچّے ہی تھے کہ آپ کے والد ماجد میاں صلاح الدین انتقال کر گئے۔ کہتے ہیں کہ سچل کے دادا، خواجہ محمد حافظ المعروف میاں صاحب ڈنہ "موراگی"، نے شاہ عبید اللہ نامی ایک بزرگ سے فیض حاصل کیا تھا، جو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے۔ شیخ عبید اللہ سندھ سے اجمیر چلے گئے اور وہیں وفات پا گئے۔

سچل سرمست کا پیدائشی نام عبد الوہاب تھا۔ لیکن والد پیار سے 'سچل' 'سچو' یا 'سچیڈنو' کے نام سے پکارتے تھے۔ آپ نے بعد میں ان ناموں کو اپنے تخلّص کے طور پر استعمال کیا۔ آپ سندھ کے معزز فاروقی خاندان کے فرد تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سچل کے جدِ اعلیٰ، شہاب الدین فاروقی محمد بن قاسم ثقفی کے ساتھ سندھ آئے تھے جنہوں نے سندھ کو فتح کرنے کے بعد انہیں سیوہن کا گورنر مقرر کیا تھا۔ تاہم اس سلسلے میں کوئی تاریخی شہادت مستند کتابوں سے نہیں مل سکی۔

سچل سرمست تصوف کے وحدت الوجود کے مسلک سے وابستہ تھے اور شاعر بھی تھے۔ اس لحاظ سے انہوں نے اپنے خیالات اور تعلیمات کو نظم کے ذریعے پیش کیا ہے۔ تصوف میں انہیں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ اور شاعر کی حیثیت سے شاہ عبد اللطیف بھٹائی کے بعد انہیں سندھ کا ممتاز شاعر شمار کیا جاتا ہے۔ وہ جلالی رنگ میں رنگے ہوئے تھے

جس کی وجہ سے انہیں 'سندھ کا منصور' کہا جاتا ہے۔ وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنے والے دوسرے بزرگان دین کی طرح سچل بھی ذات اور صفات کے ایک ہونے میں اعتقاد رکھتے تھے۔ اس نظریے کے تحت کائنات کی ظاہری کثرت میں بنیادی وحدت کار فرما ہے اور بنی نوعِ انسان کے رنگ وروپ کی کثرت بھی اسی وحدت میں سما جاتی ہے۔ اس لحاظ سے لوگوں میں ذات پات، اونچ نیچ، فرقہ، طبقہ اور عقیدہ کی موجودگی کو بھی کوئی وقعت نہیں ہے۔ باالفاظ دیگر تمام انسان برابر ہیں۔ لہر اور بحر کی اصلیت ایک ہی ہے۔ فرماتے ہیں۔

نیست جز دریا رواں چیزی دگر
موج در موج می آرد بسر

تون جا پانئین موج، سامڙيو ئي مهراڻ
(یعنی جس کو تم محض ایک موج سمجھتے ہو، وہ دراصل دریا ہی ہے)

سچلؒ سرمست نے مذہب وملت، ملک ووطن اور زبان وغیرہ کی حدود پار کر کے ایک ایسی ہمہ گیر تعلیم کی تبلیغ کی ہے جس کی دنیا کے ہر ملک اور قوم کو ہر دور میں ہر وقت ضرورت ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

نا میں مُلّاں نا میں قاضی، نا میں سبق پڑھاواں
نا میں کعبہ نا میں قبلہ، مکے مول نہ جاواں
نا میں سُنّی نا میں شیعا، سید کین سڈواں
نا میں نانک نا میں لچھمن، گنگا مول نہ جاواں
یار تہ میڈا درس درازی، 'سچُو' نان ءُ سڈاواں

(یعنی نہ میں مُلّا ہوں اور نہ قاضی، اور نہ میں کسی کو درس دیتا ہوں۔ میں قبلہ کعبہ بھی نہیں ہوں اور مکّہ بھی نہیں جاتا۔ نہ میں شیعہ ہوں اور نہ سُنی، اور نہ خود کو سید کہلاتا ہوں۔ میں گرونانک بھی نہیں ہوں اور نہ لچھمن ہوں۔ گنگا کے تیرتھ پر بھی نہیں جاتا۔ میرا دوست تو صرف درازا (خواجہ عبدالحق) ہے اور میں خود "سچُو" کے نام سے پکارا جاتا ہوں)

یہ چند سطریں اس بات کا ثبوت ہیں کہ سچل سرمست مذہب وعقائد کی جکڑ

بندیوں سے بالاتر ہو کر سوچتے تھے۔ وہ صلح کل صوفی تھے انہوں نے اپنی ہستی کو خود میں گم کر دیا تھا۔ اور تمام مقدس مقامات ان کے دل پر نقش ہو چکے تھے۔

شاعری میں بھی سچل سرمست اپنی مثال آپ تھے۔ کبت، دوہا، کافی، وائی، غزل، مثنوی غرض کہ نظم کی ہر صنف پر انہوں نے طبع آزمائی کی ہے۔ کتب میں ان کے 'وحدت نامہ' کو سلیس، صاف اور سلونی زبان کی وجہ سے مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کے "زادالفقیر" مخدوم عبداللہ کے "کنزالعبرت" اور مخدوم عبدالرحیم گرہوڑی کی تصنیف "حقیقت محمدی" سے بہتر تصور کیا گیا ہے۔ سندھی کافی میں بھی سچل سرمست کو اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس میں ساخت، مضمون اور معنی کے لحاظ سے جو اضافے کئے ہیں ان کا مقابلہ آج تک کوئی نہیں کر سکا۔ اس طرح ان کا "قتل نامہ" اور 'جھولنا'، سندھی شاعری میں ابتدائی کوشش کے باوجود اپنی مثال آپ ہیں۔ اور اس طرز پر آج تک کوئی شاعر اس قدر کامیاب نہیں ہو سکا۔

سچل اپنے دور کے ایک بے نظیر شاعر تھے اور اس درجہ کا کوئی دوسرا شاعر اس خطے میں پیدا نہیں ہو سکا۔ انہوں نے اُردو غزل بھی کہی، جو وقت کے لحاظ سے نہایت موزون اور ہمہ گیر تھی۔ اور اُردو کے ممتاز شعراء نے ان کو سراہا ہے۔ فارسی زبان میں سچل سرمست نے غزل، مستزاد، قطعہ اور مثنوی پر طبع آزمائی کی ہے۔ ان کا کچھ فارسی کلام، جس کا پروفیسر عطا محمد 'حامی' نے سندھی میں اور آنجہانی تیرتھ داس ہوتچند نے انگریزی میں منظوم ترجمہ کیا ہے، شائع ہو چکا ہے۔ فارسی کلام میں سچلؒ نے اپنا تخلص 'خدائی' اور 'آشکار' رکھا ہے۔ فارسی میں انہوں نے دیوانِ آشکار کے علاوہ بہت سی مثنویاں لکھی ہیں جن میں سے رازنامہ، رہبرنامہ، سوزنامہ، گدازنامہ، وصلت نامہ، تارنامہ وغیرہ خاصی شہرت رکھتی ہیں۔ فارسی کلام میں بھی سچل کے خیالات اور رجحانات منصور اور عطار کے خیالات کی عکاسی کرتے ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے:

در ولایت جسم و جاں من بادشاہی می کنم
بادشاہی چیست و لیکن خود خدائی می کنم

(یعنی میں اس خاکی جسم کے جامہ میں بادشاہ ہوں بادشاہی تو کوئی چیز نہیں ہے، میں تو خود خدا ہوں)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

بہ شاہی میزنم نعرۂ گدائی
گدائی نیست و لیکن خود خدائی
بہ گمراہی نیفتادیم ہرگز
جہاں را می کنم ایں رہنمائی

(یعنی میں بادشاہ ہوتے ہوئے بھی گدائی کا نعرہ لگا رہا ہوں۔ اور یہ گدائی نہیں بلکہ خود خدائی ہے۔ میں نے کبھی بھی گمراہی سے رغبت نہیں رکھی اور اسی سبق کی روشنی میں جہاں کی رہنمائی کر رہا ہوں)

سچل سرمستؒ نے اپنے کلام میں اپنی خودی کو پہچاننے پر سب سے زیادہ زور دیا ہے اور اس سلسلے میں ان کا کہنا ہے کہ خود کو پہچاننا آدمی کی اپنی سوچ پر منحصر ہے۔ پھر جس طرح وہ اپنے متعلق سوچے گا اسی ہی حالت میں خود کو دیکھے گا۔ مثلاً

خویش رابشناس، در گل گوہر است
ماہ پنہاں کہ شودزیر غلاف
اگر خود را خدا دانی، خدائی
اگر خود را گدا دانی، گدائی

(یعنی اپنے آپ کو پہچانو مٹی میں گوہر چھپا ہوا ہے۔ جیسا کہ چاند غلاف کے نیچے ڈھکا ہوا ہے۔ لہٰذا اگر خود کو خدا سمجھو گے تو تم خدا ہو، اور اگر خود کو گدا جانو گے تو پھر تم گدا ہو۔)

سچل کا کلام روحانیت کی گہرائیوں اور باریکیوں سے معمور ہے جس میں خدائی عشق قلبی واردات ہجر و وصال کا ذکر، پیار و الفت کی باتیں اور حق و تصوف کی مقال ہے۔ آپ مذاہب کی تفریق اور تضاد کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ بلکہ انہوں نے اپنے کلام کے ذریعے لوگوں کے درمیان محبت اور یگانگت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ وہ انسان

کی معراج چاہتے ہیں۔

دیکھا جائے تو سچل سرمست کا تمام کلام تصوف کے باریک نکات کی تشریح و توضیح پر مبنی ہے۔ جس میں انہوں نے فنا و بقا، ذکر و فکر، حالِ و قال، خودی اور دوئی کے متعلق اپنے خیالات کو انتہائی دلپذیر انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ کا کلام سات زبانوں میں ہے جس کی وجہ سے آپ کو "شاعر ہفت زبان" بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کا 'رسالہ' (دیوان) دو جلدوں میں ہے۔ جس میں سے پہلے جلد میں سندھی سرائیکی اور پنجابی زبانوں میں کافیاں، غزل جھولنے اور ریختہ ہیں۔ دوسری جلد میں پنجابی اور سرائیکی زبان میں دس سی حرفیاں اور ایک سو پچانوے دوہے ہیں۔ ازاں سوائے 'مرغنامہ' اور 'وحدت نامہ' سندھی دوہوں کے مجموعے ہیں۔

سندھ کے سَرمَست

شیخ عبدالرزاق راز

سچلؒ سرمست جنون اور سرمستی کے خالق تھے۔ ان پر عشقِ حقیقی کا نشہ ہر وقت غالب رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ کیف اور حال کی حالت میں عروج پر پہنچ کر ایسی باتیں کر بیٹھتے تھے جن پر اختلافات اور اعتراضات ہوتے تھے۔ آپ شریعت کے بہت بڑے عالم تھے۔ وہ نہ صرف ظاہری علوم سے واقف تھے بلکہ ان پر باطنی علوم کا اس قدر غلبہ تھا کہ وجدانی کیفیت میں بعض غیر شرعی باتیں کر بیٹھتے تھے۔

سرمست عالمِ انسانیت کے سب سے بڑے مبلغ تھے۔ آپ تمام انسانوں کو ایک جیسا سمجھتے تھے۔ ان کے یہاں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا۔ آپ کے پاس امیر اور غریب سب برابر تھے اور حاکم و محکوم کے درمیان کوئی تفریق نہیں تھی۔ آپ اسی اصول پر کاربند تھے کہ تمام بنی نوع انسان یکساں ہیں۔

كافر مومن صورت سائي
جانب ڈس ڈنو هي جائي

(یعنی خالق کائنات نے یہ راز عیان کر دیا ہے کہ کافر اور مومن کی شکل و صورت میں کوئی فرق نہیں ہے)

یہ سرزمین سندھ ہے، اور یہ اس خطے کی روایت ہے جس نے اس نظریہ کو قبول

کر کے، بنی نوع انسان کے درمیان ذات پات کی تفریق کو یک قلم مٹا دیا ہے۔ یہاں کے صوفی بزرگان نے انسان کو اشرف المخلوقات سے بھی بلند کر دیا ہے۔

سچل سرمست کا کلام روحانیت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اس لحاظ سے وہ مسلم اور غیر مسلم طبقوں میں یکساں مقبول ہیں۔ عشق انسان کو اس منزل پر پہنچاتا ہے جہاں وہ دین و مذہب کو بھی بھول جاتا ہے اور انسان اللہ کا راز بن جاتا ہے۔ پھر وہ کبھی سرمست بن کر عروج پر پہنچتا ہے تو کبھی باہوش ہو کر نزولی کی طرف آتا ہے۔ کبھی وہ عالم بالا میں ہے تو کبھی وہ گہرائیوں میں غرق ہو جاتا ہے، کبھی وہ خدا بن جاتا ہے تو کبھی بندہ۔ یہ محنت اور مشقت ہی ہے جو انسان کو بلندی پر پہنچاتی ہے اور ذرا سی غلطی سے اسے تاریکیوں کے غار میں گرا سکتی ہے۔ یہ فلسفہ تصوف کے نکات ہیں۔ جن کو اس سرزمین کے باشندوں نے اس قدر قبول کیا ہے جس کی مثال دنیا کے کسی دوسرے ملک میں نہیں مل سکتی۔

مجاہدہ کے ذریعے انسان روحانی منازل طے کر کے کامیابی حاصل کرتا ہے۔ اور اسی طرح جدوجہد سے وہ مادی ترقی حاصل کر کے دنیا میں سرخرو رہتا ہے۔ حاصل مطلب کہ ہر دو صورتوں میں یہ دونوں باتیں انسان کو عمل کا سبق سکھلاتی ہیں۔ ایک روحانی محنت ہے تو دوسری مادی۔ اور یہ عمل ہی ہے جس سے انسان کی زندگی جنت یا جہنّم بن جاتی ہے۔ عمل صراطِ مستقیم کی طرف لے جاتا ہے تو غلط راہ پر بھی۔ سچل سرمست نے یہ دونوں راستے دکھائے ہیں کہ انسان کسی نیک عمل کے ذریعے عالمِ بالا پر پہنچ جاتا ہے۔ اور اگر عمل میں کوئی غلطی یا کمزوری واقع ہوتی ہے تو وہ تحت الثریٰ میں گر جاتا ہے۔ سرمست بذاتِ خود اس منزل پر ہیں جو انہیں قدم در قدم نئی منزل کی طرف لے جاتی ہے اور ہر منزل پر اسے نئے مشاہدے کراتی ہے۔ اور کسی منزل پر پہنچ کر وہ ہوش و حواس کھو کر اناالحق کا نعرہ بلند کرتا ہے، کہیں وہ اپنے آپ کو ختم کر دیتا ہے تو کہیں دونوں جہاں چھوڑ کر تیسرا جہاں پیدا کرتا ہے۔

سچلؒ 'تو ہی تو' کے فلسفے کے بہت بڑے مبلّغ تھے۔ جس میں ان کا وحدت الوجود کا نظریہ بخوبی واضح ہے۔ ان پر ایرانی بزرگ خواجہ فرید الدین عطار نیشاپوری کا بہت اثر تھا جنہوں نے کہا ہے:

من خدایم، من خدایم، من خدا
فارغم از کینہ و کبرو ہوا

—

سیکھے گا عشق جو بھی، جھیلے گا وہ مصیبت
سرجاں صنم پہ صدقہ 'سچل' یہ جسم سارا

ہیو کو جاڻ محض گناھ
ھر کنھن صورت آپ الله

(ہر ایک صورت میں خود اللہ موجود ہے، لہٰذا کسی اور چیز کی طرف دیکھنا گناہ ہے۔)

پول نہ ہئي کنھن ڀل
تون تہ آدم ناھين

(تم آدم نہیں ہو، لہٰذا تمہیں کسی شک و گمان میں نہیں پڑنا چاہیئے)

آھيان آءُ اسرار،
جيڏيون، مون کي کيرٿيون پانيو،
نوري ناري ناھيان،
آھيان رب جبار.

(دوستو! آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں دراصل میں ایک اسرار ہوں۔ وہ یہ کہ میں نہ نوری ہوں نہ ناری، بلکہ خود رب جبار ہوں)

منصوريءَ جي موج ۾ ، ٿو اناالحق آلايان
(میں منصوری موج میں آکر 'انا الحق' کا نعرہ بلند کرتا ہوں)

متذکرہ بالا کلمات ایسے ہیں جن کو شطحیات کہا جاتا ہے۔ اور اصحاب شریعت کے لئے یہ اقوال قابل اعتراض ہیں لیکن اس عاشق صادق کی سرمستی کو کیا کہیے جو خود کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے۔ وہ جز کو کل میں جذب کر کے مدہوشی کے ایسے عالم میں پہنچ جاتا ہے جو خود کو ہی کُل تصور کرنے لگتا ہے۔ تصوف کے فلسفہ کی ان پیچیدگیوں کو سمجھنا ایک مشکل

امر ہے۔ عطارؒ وہ ہستی تھے جو محبوب کی تلاش میں اپنا تمام کاروبار ترک کر کے، برسوں تک جنگلوں اور پہاڑوں میں بھٹکتے رہے۔ عطارؒ کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ منصور حلاج کی روح تین سو سال کے بعد عطار کی صورت میں ظاہر ہوئی اور عطارؒ نے بھی منصور حلاج کی طرح 'انا الحق' کا نعرہ بلند کیا اور ان کو بھی صوفیائے کرام کی صف میں وہ مرتبہ عطا ہوا جو منصور کو ملا تھا۔ سچل عطار کو تمام بزرگوں سے افضل سمجھتے تھے اور انہیں اپنا روحانی مرشد تصور کرتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنے ایک شعر میں فرمایا ہے:

"اے بادِ صبا! مجھ سے شہر نیشا پور کی حقیقت بیان کر، کیونکہ میں وہاں کی زمین کی مٹی پر اپنی جان اور اپنا جسم قربان کرتا ہوں۔"

اسی آتشِ عشق اور محبّت کے جوش اور ولولے نے سچل سرمست میں کیف اور سرمستی پیدا کر دی تھی اور اس نے انہیں ایسے نعرے لگانے پر مجبور کر دیا تھا جو کہ اہلِ شریعت کے لئے الحاد کے قریب تھے۔ انہوں نے کسی وقت خود کو غلام بھی کہا ہے۔ لیکن یہ نزول کی منزل تھی۔ جب کہ عروج کی حالت میں انہوں نے فرمایا۔

اللہ اللہ چو چوین، پاڻ ئي اللہ ڄاڻ
(تم اللہ اللہ کیوں کہتے ہو۔ تم خود کو ہی خدا سمجھو)

صورت سپ سلطان، پاڻ ڏسڻ آيو پنهنجو تماشو
(اصل میں انسان ہی وہی مالک ہے، صرف صورت کی تبدیلی ہے۔ اس طرح وہ اپنا تماشا خود دیکھنے آیا ہے)

ڪافر مومن هڪڙو، سُجو ٻوڙج ٻيائي
(اے سچل! تم دوئی یا تفریق کو غرق کر دو۔ در اصل کافر اور مومن صورت کے اعتبار سے ایک جیسے ہیں)

ٻانهو يان ءِ مَ پاڻ، تون ئي مالڪ مُلڪ جو
(تم اپنے آپ کو بندہ مت سمجھو۔ تم خود ہی ملک کے بادشاہ ہو)

سچل سرمست اگرچہ شریعت کی باریکیوں سے بخوبی واقف تھے، لیکن ان پر

تصوف کا بہت بڑا اثر تھا۔ وہ صوفی بزرگان کے عاشق تھے۔ وہ سنائی کے بھی بڑے مداح تھے۔ عطار د سنائی فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ جن کے متعلق مولانہ رومی نے فرمایا ہے۔

ما از پئی سنائی و عطار آمدیم

حکیم سنائی ایک بزرگ شاعر تھے جنہوں نے سب کچھ ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔ وہ ننگے پاؤں غزنی شہر کی گلیوں اور بازاروں میں گھومتے رہتے تھے۔ ان کے عزیز و اقارب ان کی یہ حالتِ زار دیکھ کر روتے تھے 'حدیقہ' میں اس نے ایسی باتیں لکھی ہیں جن پر علماء نے اعتراضات کرتے ہوئے ان کی مخالفت کی ہے۔ سنائی پہلے شاعر ہیں جنہوں نے تصوف کو شاعری میں پیش کیا۔

سچل ایسے بزرگانِ دین کے مکتبہء خیال سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے ان پر ایسے بزرگان کا اثر ایک لازمی امر تھا۔ اور اسی اثر کے تحت ہی انہوں نے بعض غیر شرعی باتیں کی ہیں۔

اچھی بات نہیں ہے۔ تصوف کی بہت سی منازل ہیں اور صوفی درویشوں کی ان منزلوں کے مطابق درجے ہیں۔ اس لحاظ سے ان منازل اور درجات کا تعین ایک ظاہری علم رکھنے والے شخص کے لئے ایک مشکل کام ہے منصور نے 'انا الحق' کہا۔ سرمد نے کئی کافرانہ کلمات کہے۔ عطارؒ نے 'من خدایم' کا نعرہ بلند کیا۔ جس منزل پر منصور پہنچا اور جس کے لئے اس نے سر کٹوانے کی سزا بخوشی قبول کی، اس منزل کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ یہ وہی منزل تھی جس نے عطار کے پاؤں زخمی کر دیئے اور سنائی کو تزکیہء نفس سکھلایا۔ اسی بات نے ہی سچل کو دنیا سے کنارہ کش بنا دیا تھا۔ اور آپ ایک کٹھن مجاہدہ میں مصروف رہے۔ یہ آپ کی روحانی کیفیت تھی جس نے آپ کو سچائی کی تلاش پر آمادہ کیا۔ اس لحاظ سے سچل سرمست کے فلسفے کو سمجھنے کے لئے وسیع مطالعہ کے علاوہ ہوش و عقل کی ضرورت ہے۔ شیخ اکبر ابن العربی کا عقیدہ تھا کہ کوئی بھی چیز موجود نہیں ہے سوائے اللہ کے۔ امام غزالی جب نماز کی نیت باندھتے تھے تو کہتے تھے۔ 'کافر ہوا، جنیا باندھا، اللہ اکبر'

ابن عربی نے کہا ہے کہ کسی وقت بندہ بے شک رب ہوتا ہے اور کسی وقت بندہ بغیر کسی بہتان کے بندہ ہی ہوتا ہے۔

حضرت بو علی قلندر نے کہا ہے:

نمازی می گذارم در خرابات
رکوعی نی سجودی نے قیامی

اور سچل نے بھی وہ کہا ہے:

منصوريءَ جي موج ۾ ، ٿو اناالحق الايان

مشاہیر اسلام کے سلسلے میں اس مشرب کے بزرگانِ دین کی ایک لمبی فہرست ہے جن میں سے بعض کو اونچی منزل نصیب ہوئی ہے اور بعض کے لاتعداد مرید اور معتقد ہیں۔ لیکن ان کے کلمات بعض موقعوں پر اہل شریعت کے لئے ناقابل برداشت ہیں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایسے بزرگانِ دین نے اکثر حالات میں اپنے کلمات کو ضائع کر دیا ہے اور سچل سرمست کے لئے بھی مشہور ہے کہ انہوں نے اپنا بہت سا کلام نذرِ آتش کر دیا تھا۔ تاہم بعض اشعار آپ کے معتقدوں کے پاس رہ گئے جو شطحیات کے طور پر ہمارے سامنے آئے ہیں ورنہ سچل ایک عابد، زاہد اور متشرع صوفی بزرگ تھے جنہوں نے خدا کے تمام بندوں کو ایک ہی نظر سے دیکھا اور ان میں کوئی فرق نہیں رکھا۔

سچلؒ وحدت کے پیامبر

شفیع احمد علوی

دنیا کے صوفیائے کرام کی طرح سرزمین سندھ کے صوفیائے کرام اور صوفیانہ مسلک کے شاعر وحدت کے پیامبر تھے۔ اُنہوں نے دوئی کو دور کر کے، وحدانیت اور وحدت، اتحاد اور اتفاق کا درس دیا اور انسان کی عظمت اور صلح کل کے نغمے اور گیت گائے ان شعراء نے انسان کو عہد میثاق یاد دلایا۔ جس کو بھلانے سے انسان نے پست حالت اختیار کی ہے۔ اُنہوں نے انسان کو جتایا کہ وہ الستی اقرار پر عمل کرنے سے خود میں خدائی صفات پیدا کرے گا۔ اور اس کے ذریعے عظمت اور اعلیٰ مقام حاصل کر کے روئے زمین پر خالق اکبر کے خلیفہ ہونے کا حق ادا کر سکے گا۔

سندھ کے جن شعراء نے وحدت اور انسانی حقیقت اور عظمت کے گیت گائے ہیں۔ ان میں سچل سرمستؒ کا نام سرفہرست ہے۔ آپ وحدت کے پیامبر ہیں۔ اُنہوں نے اپنی شاعری میں انسانوں کی عظمت اور اس میں خالق اکبر کی تجلی ہونے، دوئی کو دور کرنے اور وحدانیت کے طالب ہونے کی تبلیغ کی ہے۔ اُنہوں نے انسان کو اپنی عظمت، اعلیٰ حیثیت اور حقیقت یاد دلائی ہے۔ تاکہ وہ ان مراتب کا لحاظ کر کے خود کو خالق کے خلیفہ ہونے کا اہل ثابت کر سکے۔

وحدت الوجود کے فلسفہ کے مطابق خداوند کریم کا قُرب اور روشنی تمام کائنات پر چھائی ہوئی ہے۔ اور کوئی جگہ اس کے نور سے خالی نہیں ہے۔ تاہم خدائی صفات کا مرکز

صرف انسان ہے اور اسِ وجہ سے ہی اسے عظمت نصیب ہوئی ہے۔ الاہی انوار اور خدائی صفات تمام مخلوقات پر حاوی ہیں۔ اور یہ بات مولا کی محبت اور عظمت پر دلالت کرتی ہے۔ صوفیائے کرام کے نظریہ کے مطابق خالقِ اکبر نے قرب اور مُحبت کے جذبے کے تحت ہی کائنات پیدا کی ہے اور اسی وجہ سے ہی دنیا کا یہ نظام قائم ہے۔

سچلؒ سندھی شاعری میں وحدت الوجود میں سب سے بڑے شاعر اور اسی فلسفہ کے شارح ہیں۔ اس لحاظ سے وہ فارسی کے عظیم صوفی شعراء عطار اور شمس تبریز کے قبیلے سے تھے، جنہوں نے بھی یہی فلسفہ بیان کیا ہے سچل سرمست، دبستان وحدت الوجود کے شعراء میں سے ایک عظیم شاعر اور مفکّر ہیں انہیں یہ حیثیت دو اسباب کی وجہ سے عطا ہوئی۔ پہلا یہ کہ وہ ایک ایسے علمی اور روحانی خاندان کے فرد تھے جس میں تصوّف اور شعر و شاعری کا چرچہ پہلے ہی تھا۔ آپ کے دادا حافظ صاحب ڈنہ اور چچا و مرشد میاں عبدالحق کا سندھی اور فارسی کلام موجود ہے جو صوفیانہ ہے۔ سچل نے ان ہر دو حضرات کے علاوہ فارسی کے دوسرے عظیم صُوفی شعراء کے کلام سے بھی استفادہ کیا۔ چونکہ علم و عرفان کی دولت انہیں پہلے ہی نصیب تھی۔ لہٰذا مطالعہ، مشاہدہ اور مجاہدہ نے اس کو اور بھی جلا بخشی۔ آپ کا کلام ان ہی خوبیوں کا مظہر ہے۔ جس میں اُنہوں نے تصوّف اور عرفان کے راز وضاحت کے ساتھ پیش کر دیے ہیں۔ آپ کی شاعری میں اُستادانہ اندازِ بیان مقامی رنگ اور اصلیت ہے۔ سندھی اور فارسی زبانوں پر انہیں پوری دسترس اور مہارت حاصل تھی۔

سچل عشق کا مجسمہ تھے۔ وحدت ان کی شاعری کا ایک اہم موضوع ہے۔ انسان اپنی لاعلمی جہالت اور دوئی کی وجہ سے وحدت کی حقیقت اور اپنی عظمت کو بھلا بیٹھا ہے جس کی وجہ سے غلامی اور پستی کی ذلتوں میں پھنس کر رہ گیا ہے۔ حالانکہ اس میں وہ الاہی اوصاف موجود ہیں جس کی وجہ سے فرشتے بھی اسے سجدہ کر رہے ہیں۔ اپنے ایک شعر میں سچلؒ آدم کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

يول نہ پئي ڪنهن ٻُل، تون ته آدم ناهين!
لکيو ٿو لاتيون ڪرين. جنّن باغ اندر بلبل،
ملڪن ٿي سجدا ڪيا، واه مٽي تنهنجو ملهه
احد منجهاروٗن عبد سڏايئي هئين تاڻ پاڻ املهه.

یعنی اے انسان! تمہیں یہ حقیقت بھلانا نہیں چاہیئے کہ تم آدم نہیں ہو تم باغ میں بلبل کی طرح چھپ کر بولیاں بول رہے ہو۔ حالانکہ یہ تمہارا مٹی کا پُتلا ہی تھا جس کے آگے فرشتے بھی سر بسجود تھے، تم احدیت سے ہی عبدیت میں آئے، بندہ کہلائے، ورنہ تم خود ہی وہ سب کچھ ہو جس کی قدر و قیمت کا کوئی حساب نہیں ہو سکتا۔ اس مرکزی خیال کو ایک شعر میں وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

آءٕ آهيان اسرار، جيڏيون مون کي ڪير ٿيون پانيو!
نوري ناري ناهيان، آهيان رب جبّار
مرشد بانهو نہ چيو، تون "سچو" آهين سردار!

یعنی آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟ میں دراصل ایک اسرار ہوں اور وہ اسرار یہ ہے کہ میں نوری ہوں نہ ناری اور نہ مرشد اور نا بندہ ہوں بلکہ خود ہی سردار اور ربِّ جبّار ہوں۔

حقیقی وجود صرف خالق اکبر کو ہے۔ اور انسان کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے بصورت دیگر یہ وحدت کے خلاف اور شرک میں شمار کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء اور صوفیائے کرام نے جن میں امام غزالیؒ بھی شامل ہیں، منصور حلاج کو بخش دیا ہے، اور اسے عاشق صادق اور وحدت کا شیدائی گردانا ہے۔

سچلؒ سرمست نے علامہ اقبال سے بہت پہلے خودی کے فلسفے اور انسان میں خود شناسی کا جذبہ پیدا کرنے کی تلقین کی ہے تاکہ وہ اپنے حقیقی مقام سے روشناس ہو کر، بندوں کی غلامی سے نجات حاصل کرے۔ ہر شُو خالق کائنات کی قدرت کا مظہر اور کرشمہ ہے جس کا مرکزی نکتہ انسان ہے۔ لہٰذا اسے اپنی اصل حقیقت سے آگاہ ہونا چاہیے۔ اس لحاظ سے سچل اپنے ایک شعر میں اس حقیقت کو اُجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اے انسان! اگر آنکھ کھول کر دیکھو تو سب کچھ تم خود ہی ہو۔ تمہیں صرف حیثیت پہچاننے کی ضرورت ہے۔ تم دوسروں کے آگے ہاتھ جوڑ رہے ہو۔ حالانکہ تم خود سپہ سالار ہو اور تمہارے وجود میں ہی وہ مالک حق موجود ہے۔"

انسان صفاتی صورت میں اس جہان فانی میں آیا ہے۔ اور یہ کائنات میں ذات الاہی کا مظہر ہے اور جو خالق کل پر دلالت کرتا ہے۔ سچل سرمستؒ اس سلسلے میں ایک

شعر میں فرماتے ہیں کہ " اصل میں انسان خود ہی سُلطان ہے اور صرف اپنا تماشا دیکھنے کے لئے انسانی جامہ پہن کر یہاں وارد ہوا ہے" اسی طرح آپ انسان کے عشق الاہی کے ذریعے نجات پانے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "آپ میری ذات پوچھتے ہیں؟ لیکن میں کچھ بھی ہوں وہی ہوں۔ صرف عشق کے ساگر میں غوطہ لگا کر صحیح حقیقت جاننے کی ضرورت ہے۔"

انسان کی فراغت و آزادی اور بزرگی و عظمت کی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ "ایک دن مجھے پیر مغاں نے یہ راز کی بات بتائی کہ جنھوں نے ہمیں بندہ جانا وہ بازی ہار گئے۔ کیونکہ در اصل احد، احمد اور عبدالحق ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں، صرف صورتوں کا فرق ہے۔"

واضح رہے کہ خواجہ عبدالحق درگاہ درازہ کے سجادہ نشین دوم آپ کے چچا اور مرشد تھے ان کو ہی آپ نے پیر مغاں کہا ہے۔ اپنے "وحدت نامہ" میں سچلؒ سرمست ان کے سفر، مختلف منازل اور واحد سے ان کے وصل کا ذکر کرتے ہوئے آدم کے اعلیٰ مرتبے اور شان کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اور بار بار اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ دراصل وہ خود ہی بادشاہ اور سُلطان ہے۔ لیکن اپنی نا سمجھی کی وجہ سے گدا بن گیا۔ اس میں تمام الاہی صفات موجود ہیں جن کو اُجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے سے اسے اپنی نجات کے لئے جستجو کے علاوہ دوسروں کی بھی رہبری کرنی چاہیئے۔ اس سلسلے میں سچلؒ سرمست نے نہایت وضاحت کے ساتھ یہ حقیقت پیش کی ہے کہ انسان کس طرح " تخلقوا باخلاق" کے ذریعے خالق کل کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ خالق کے وصل کی کوشش کے لئے حضرت رابعہ بصریؒ کی طرح صرف واحد کے خیال ہی میں مستغرق رہنا پڑتا ہے۔ اور کسی کی خامیوں کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ بقول ان کے " انسان بشر ہی سہی لیکن وہ خود سمیع و بصیر ہے علیم و کلیم ہے اور نظام قدرت پر قادر بھی ہے لہذا ان اوصاف خداوندی کی وجہ سے وہ خود "حق" ہے اور "انسان" یا "آدمی" صرف اس کا ظاہر نام ہے۔"

آدم کی حقیقت بیان کرتے ہوئے سچلؒ وحدت الوجودی شاعر کی حیثیت میں کہتے ہیں۔

هِت آدم مون الله ٹیو، ٻیا شک ٹا ٻجن،
اصل الله مون آدمي، ثابت صورتن،
مورت صورت هڪ ٹئي، ڏسج نيٽن،
خالي کانه جاءِ ٽي، بنا محبوبن،
سڀ کنهن هنڌ سپرين جي جاءِ حسن

یعنی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہاں آدمی سے اللہ بنا ہے ورنہ یہ کھلی بات ہے کہ اللہ ہی سے آدمی بنا ہے۔ اگر تم آنکھیں کھول کر دیکھو تو صورت مورت کے لحاظ سے دونوں ایک ہیں اور کائنات کی کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں خداوند کریم کا حُسن اور جلوہ کا کار فرمانہ ہو۔

سچل سرمستؒ عطّار کی طرح منصور حلاج کے شیدائی تھے۔ اسی وجہ سے ان کے کلام میں ہر جگہ وہ جوش اور جلال نمایاں ہے ان کی خصوصیات کی وجہ سے خود رومیؒ بھی عطّار سے ہمسری نہیں کر سکے اور بعض نقاد کی رائے کے مطابق رومیؒ کا کلام فصیح اور عطّار کا کلام بلیغ ہے۔ یہ ہی خصوصیات سچل کے سندھی اور فارسی کلام میں موجود ہیں۔ بیباکی سے حق بات کہنے کا جذبہ انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ پھر چاہے اس کے لئے انہیں کتنی ہی تکلیف اور اذیتوں سے دوچار کیوں نہ ہونا پڑے۔ وہ اپنے شعر میں برملا کہتے ہیں۔

"اگر تمہیں منصور کہلانا ہے تو پھر پوری ہمت اور مردانگی سے یہ نعرہ بلند کرو کیونکہ اس منزل پر بہت سے مصائب کا سامنا ہے اگر تم میں وہ ہمت نہیں ہے تو پھر اس منزل پر ہرگز قدم نہ رکھنا بچوں کی طرح رات دن رونے دھونے کا کھیل رچانے اور لوگوں کو یہ بتانے کہ تم بے غرض انسان ہو، کا ڈھونگ رچانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اس لحاظ سے تمہیں سب سے پہلے خیالات کی بندشیں توڑنی چاہیں تاکہ تم مقام منصور حاصل کر سکو۔ سچل کا کلام زبردست جوش اور تخیل کی بلندی ہے وہ آسمانوں پر پرواز کرتے ہیں اور وہاں کے حالات اور اسرار اور رموز بیان کرتے ہیں وہ وحدت الوجود کے عظیم شاعر ہیں، اور اس فلسفہ کے اصول کا بیباکی سے واضح طور پر اظہار کرتے ہیں اس نظریہ میں عشق اور سوز میں زندگی کا سرمایہ سمایا ہوا ہے۔ وہ ان اصولوں کے داعی ہیں کہ

خود کو پہچاننے سے ہی قرار اور سکون حاصل کیا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں: "میں پنھوں (محبوب) کو یاد کر رہا ہوں حالانکہ یہ میری لاعلمی کا نتیجہ ہے کہ میں نے خود کو نہیں پہچانہ ورنہ میں خود ہی مالک ہوں۔ تاہم جب میں نے اپنی حیثیت کو سمجھ لیا تو خود ہی خالق بن گیا اور جب میں نے تمام کائنات پر نظر ڈالی تو ہر طرف وہی جلوہ کار فرما پایا اور یہ حقیقت میں نے خود اپنے وجود پر نظر ڈالنے سے پائی اور شکوک اور شبہات دور ہو گئے۔

سچل کا اُردو کلام

احسان احمد بدوی

سندھ کی وادی نے اپنی آغوش میں جن باکمال شاعروں اور ادیبوں کی پرورش کی ہے اور ان کے نشو و نما میں جو حصّہ لیا ہے، اُس کا ذکر و بیان نہ صرف پر لُطف اور پر شکوہ ہے بلکہ ان کے پڑھنے سے ہماری خوشی اور حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ در حقیقت سندھ کے صحرائی خطہ سے ایسے پھولوں کا پیدا ہونا جو اپنی لازوال خوشبو سے اُس کو معطر کرتے رہتے ہیں اپنی نوعیت میں انفرادی حیثیت کے حامل ہیں اسی وجہ سے سندھ کے زندہ جاوید شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی نے سندھ کی گوناگوں خصوصیات سے متاثر ہو کر ایک جگہ دعائیہ شعر میں فرمایا ہے۔

سائینر! سدائین، ڪرين مٹي سنڌ سڪار

(یاالٰہی سندھ کو ہمیشہ سرسبز شاداب رکھ)

جیسے جیسے ہم سندھ کی ادبی تاریخ کا مطالعہ کرتے جائیں گے تو ویسے ویسے ہمارے سامنے بہت سی چیزیں ظاہر ہوتی جائیں گی۔ سندھ کے شعراء نے اپنی طبع آزمائی کے جو ہر پاروں کو نہ صرف سندھی زبان میں قلمبند کیا ہے بلکہ ان کے تخیلات کی وسعت جو سندھ کے محدود دائروں سے نکل کر ہندوستان اور ایران کے حدود تک پہنچتے ہیں۔ میرے خیال میں شاید سندھی شعراء ہی ہیں جنہوں نے اپنی مادری زبان کے علاوہ فارسی اور اُردو میں بھی

اعلیٰ اور نادر اشعار پیش کئے ہیں اور جو ہمارے لئے فخر و افتخار کا باعث ہیں۔ سندھ اس پر جتنا ناز کرے کم ہے۔

فارسی شعراء کا ذکر کرتے ہوئے یہاں مخدومی جناب لطف اللہ بدوی کی تصنیف "تذکرہ لُطفی" کا ذکر بھی بے موقع نہیں ہوگا گو کہ اس تصنیف میں سندھ کے ادب و شاعری کے مختلف ادوار کو پیش کیا گیا ہے۔ لیکن سندھ کے فارسی شعراء کے کانامے اتنے پُر اثر اور مرغوب ہیں کہ فاضل تذکرہ نگار نے ان کا اپنی تصنیف میں خصوصیت سے ذکر کیا اور اس سرمایہ کو قلم بند کر کے ایک طرف اس کو زمانے کے دستبرد سے محفوظ رکھا ہے اور دوسری طرف اہل سندھ کو اپنے عظیم کارنامے سے واقف کیا ہے۔

اس سلسلے میں پیر حسام الدین راشدی کے ایک مقالہ کا ذکر بھی لازمی ہے جس میں اُنہوں نے سندھ کے اُردو شعراء کا تذکرہ کیا ہے۔ جو رسالہ "اردو" کے اگست سنہ 1951ء کی اشاعت میں طبع ہو چکا ہے لیکن یہ مقالہ اپنی جامعیت کے باوجود تشنہ رہ گیا ہے۔ بہر حال راشدی صاحب کا یہ کارنامہ تحسین کے قابل ہے اُنہوں نے کسی حد تک سندھ کے اُردو شعراء کو منظر عام پر لا کر اُردو دان طبقہ کو ان سے روشناس کرایا ہے۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہمارے شعراء سندھی زبان کے دائرے تک ہی محدود نہیں۔ اس فرض کو شاید آئندہ کوئی اور محقق زیادہ بہتر انداز سے ادا کر سکے۔ اس مقالہ میں، میں نے سندھ کے ایک صوفی شاعر سچل سرمست کے اُردو کلام کو پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔

قبل اس کے ہم سرمست سچل کی اُردو شاعری کا ذکر کریں۔ اور ان کے کلام کی مختلف خصوصیات کو واضح طور پر پیش کریں یہ بہتر ہوگا کہ اس زمانے کے ادبی اور تاریخی پس منظر کا جائزہ لیا جائے۔ سرمست تالپوروں کے عہد سے تعلق رکھتا ہے، تاریخی نقطہء نظر سے اس دور نے گو کہ کوئی تاریخی آثار سندھ کے لئے نہیں چھوڑے اور تالپور حکمران اپنی حکمت عملی اور دور اندیشی کی وجہ سے اپنے حریف انگریز سے بچاؤ نہ کر سکے لیکن وہ اپنی رعیت پروری اور سلامتی کے وہ یادگار چھوڑ گئے ہیں کہ ان تاجداروں کے نام سندھ کے باشندوں کے دلوں سے کبھی محو نہیں ہو سکتے۔ تالپور صاحبان نہ صرف حکمران تھے بلکہ ان

کے درباروں میں شاعروں اور ادیبوں کی پرورش اور نشو و نما ہوتی تھی۔ یہ وہ عہد تھا جس میں بقول مصنف "تذکرہ لطفی" سندھی شاعری پروان چڑھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کو دربار کی قربت حاصل ہو چکی تھی۔ اور کئی تالپور حکمران فارسی زبان کے بلند پایہ شاعر گزرے ہیں۔ جنہوں نے اپنے دواوین بھی یادگار چھوڑے ہیں۔ حکمران طبقہ کی علم دوستی اور ادب نوازی پر عوام کو بھی ادب کے ساتھ دلچسپی پیدا ہوئی۔ ایک لازمی امر تھا جس کا نتیجہ یہ دیکھتے ہیں کہ عوام میں سے بھی ایسے شعراء اور ادیب پیدا ہوئے جنہوں نے نہ صرف میں سے دلچسپی لی بلکہ اپنے عالی کلام کے لاتعداد مجموعے چھوڑ گئے ہیں۔

سرمست سچل بھی اس دور کی پیداوار ہیں اور ان کی شعر و شاعری بھی فارسی زبان سے متاثر ہوئی بلکہ اُنہوں نے مکمل فارسی دیوان چھوڑا ہے جس کو اس تخلص کے تعلق سے "دیوانِ آشکار" کہتے ہیں۔ سندھی ادبیات کا مطالعہ جس قدر میری رہنمائی کر سکا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ سرمست سچل سے پہلے بھی بعض سندھی شاعروں نے اُردو میں طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن سچل کا کلام اردو کے جدید دور کا حاصل ہے۔ اور اسے متقدمین سے گوئے سبقت حاصل کی ہے۔ سچل کے بعد فقیر قادر بخش "بیدل" ایک ایسا سندھی شاعر گزرا ہے۔ جس نے اپنے اردو کلام کا دیوان مرتب کیا ہے۔ اور ہمیں جو اُنہوں نے اپنے تخیل کی جولانیاں دکھائی ہیں وہ کسی طرح اُردو کے اُستاد شعراء سے کم نہیں۔ بہر حال سچل بیدل کے پیش رو ہیں اور بیدل ان کے مقلد۔ اس زمانے میں شمالی ہند میں اُردو اپنے ارتقائی دور سے گزر کر معراج کمال تک پہنچ گئی تھی۔ اور ہمیں انشا، مصحفی، نظیر، رنگین اور نصیر جیسے شاعر نظر آتے ہیں۔ سچل کا نام بھی ان ریختہ شعراء کی یاداشت میں ایزاد ہو سکتا ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ سچل کے کلام میں انشا اور مصحفی جیسی خصوصیات موجود ہیں۔ لیکن ایک اجنبی زبان میں سچل کی طبع آزمائی اور نفیس خیالات کو پیش کرنا واقعی قابل تحسین ہے۔

سچل کے کلام پر نظر ڈالنے سے جو پہلی چیز ذہن میں آتی ہے وہ اس کی زبان دانی ہے، عروض کی پختگی اور الفاظ سے قطع نظر، سچل کے شعر میں قدیمی دکنی الفاظ کا افراط سے ہونا اس حقیقت کا شاہد ہے کہ وہ اس زبان سے بخوبی واقف ہے۔ اس سلسلے میں سچل کے

چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔ تاکہ ان کا دکنی شاعروں سے موازنہ آسانی سے ہو سکے۔

بیمار ہوں تیرے برہ کا، چھوٹن میرا مشکل ہوا
یہ درد میرا دیکھ کر افلاطون لایعقل ہوا
اے یار تم آتا نہیں، مجھ پر شفا بخشی کرو
اس درد میرے کی دوا آنا تیرا اک پل ہوا۔

میرے سامنے قطب شاہی سلاطین میں سے سلطان عبداللہ قطب شاہ کا کلام موجود ہے، موازنہ کے لئے ان میں سے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

گلشن ہے تو پیاری، بلبل ہے دل ھمارا
رنگِ بانس دونوں میں پھل، ہوں پہلیاں نظارا
تیرے درشن کوں اے محبوب آتے ہیں حبیباں سب
دکھا درشن جو ھووین راکھ جل رقیباں سب

ولی دکنی جو اُردو دان طبع کے بعض حلقوں میں اُردو غزل کا موجد سمجھا جاتا ہے۔ اس کی زبان دیکھئے۔

دل بے تاب کہ اک آن نہیں اس کو قرار
زلف دلدار سوں ہمسر ہے پریشانی میں
مدت ہوئی سجن نے دکھایا نہیں جمال
دکھلا کے اپنے قد کوں کیا نہیں نہال۔

مندرجہ بالا اشعار سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ سچل کا اردو کلام پڑھنے سے کبھی بھی یہ شبہ نہیں ہوتا کہ ہم یہ کلام سندھی نژاد شاعر کی زبانی سن رہے ہیں۔

سچل اپنے زمانے کے بڑے صوفی شاعر تھے اس لئے ان کی نے میں سے جو نغمے نکلتے ہیں، وہ سب صوفیانہ رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ان کے اُردو کلام میں "مقاماتِ تصوف" کی سب چیزیں پائی جاتی ہیں۔ صوفیانہ شاعری کو علیحدہ علیحدہ عنوان دے کر

اُنہوں نے صفائی سے اس کے متعلق بحث کی ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک "یقین" کا ہونا بہت اہم چیز ہے۔ معرفت حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس یقین کا ہونا لازمی ہے۔ سچل نے اس مسئلے کو بہت ہی آسان طریقہ سے بیان کیا ہے۔

اگر اثبات کو جانو نہ ہرگز تم گدا ہو گا
یقین کرنا گدا اگر ہیں و لیکن خود خدا ہو گا

مسئلہ وحدت الوجود اسلامی تصوف کا اہم حصّہ ہے۔ اس پر متاخرین صوفیائے کرام نے تصوف کی عمارت کھڑی کی ہے۔ اور اس کے اندر ہمہ اوست کے فکر کو داخل کر کے ایک عجیب پیچیدہ راہ بنا رکھی ہے۔ سچل اسی ہمہ اُوست کے باریک نکتوں کو اپنے کلام میں لے آتا ہے اور ان کا ذکر نہایت دلفریب اور دلکش پیرایہ میں کرتا ہے۔

نہیں دیدار کوئی دو جہاں نہ جائے دیکھن کی
نظر کی جائے تمہاری ہے، بیبن تا خود لقا ہو گا
زمیں پر کیا فلک پر کیا، کیا بر عرش کرسی پر
درد بیروں ھمہ اندر کہ ہر جا بجا ہو گا

ھو الآول، ھو الآخر، ھوا نظاہر ھوالباطن
اِدھر وہی اُدھر وہی وہ سچو کہہ تم کجا ہو گا

اس طرح سچل کا تمام کلام تصوف کے باریک مسائل سے بھرا ہوا ہے۔ جس میں نفی و اثبات فنا و بقا، ذکر و فکر حال و قال ہمہ اوست اور وحدت الوجود جیسی دقیق چیزوں کو آسان طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اس کے اُردو کلام میں حسن و عشق کا بیان ہجر و وصال کا ذکر اور محبت کی باتیں بھی ملتی ہیں۔ سچل نے اپنے کلام میں محبوب کی بے اعتنائی اور عاشق کے حال زار کی داستان بھی دلگداز الفاظ میں بیان کی ہے۔ ایک جگہ اپنے دردوں کو اس طرح ظاہر کرتا ہے۔

کس نوں میں کہہ سناؤں میرا یار ہے خیالی
میرا حال پوچھتا نہیں ہے اصل ہے لاابالی

عاشق اپنے غم کا ذکر اپنے محبوب سے کرنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ تو اتنا لاپرواہ ہے جو اس کا خیال تک نہیں کرتا۔ "لاابالی" لفظ میں جو اُنہوں نے حُسن بیان پیدا کیا ہے۔ اس سے محبوب کے رویہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ایک دوسری جگہ بھی اس قسم کی کیفیت کو نہایت پُر اثر انداز میں پیش کرتا ہے۔

تیرے درد مجھ کو جانا، اب بے خبر کیا ہے
مجروح میرے دل کو اُس اک نظر کیا ہے

محبوب کی بے اتفاقی اور ستم شعاری کا بیان اُردو شاعری میں عام طور پر ملتا ہے۔ سچل نے بھی اس خصوصیت کو اپنے دلفریب اور مخصوص پیرایہ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

تیرے ہجر میں پیارا روتا ہوں زار زار
وعدے نے تیرے ہم کو اب منتظر کیا ہے

محبوب کی جدائی اور اُس کی تکالیف کا ذکر تو ہر شاعر نے کیا ہے لیکن سچل نے "وعدہ اور منتظر" کے الفاظ لاکر ہجر و فراق کی کیفیت کو اور بھی واضح کر دیا ہے محبوب کی بے اعتنائی اور جفاکاری کا بیان ہم اوپر کر چکے ہیں۔ لیکن محبوب کو اس کی اعتنائی یاد دلا کر یہ کہنا کہ تم نے بھی ہماری گلی سے گذر کیا ہے، اس کو دلفریب طریقے سے بیان کر کے اس مضمون میں اور بھی اضافہ کیا ہے۔

اتنی یہ بے نیازی دلبر نہ کر سچل سے
اس کی گلی میں تم نے اِک دن گذر کیا ہے

محبوب کی بے پرواہی، اس کی بے نیازی اور لاابالی پن کے باوجود سچل ہی مفتون نہیں بلکہ اُس کے نزدیک جس کسی کی بھی اُس پر نظر پڑتی ہے تو وہ اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران و فریفتہ رہ جاتا ہے۔

بے چارہ اِک نہیں میں آشفتہ اس صنم کا
کتنے ہوئے ہیں حیراں دیکھ حُسنِ لایزالی

اس طرح سچل نے اپنے کلام میں محبوب کے حُسن کی بجا تعریف و توصیف کی ہے اس کے علاوہ سچل کے نزدیک وہ زندگی جو عشق و محبت سے مبّرا ہے، پتھر سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ اس چیز کو اُنہوں نے اس انداز سے بیان کیا ہے۔

پتھر ہے ایسی زندگی، بن عشق ہے شرمندگی
جس کو سجن کا درد ہے، رویت اس کی زرد ہے

سچل نے آگے چل کر عاشق کی اس خصوصیت کو اور بھی واضح کیا ہے۔

سچل سرمستؒ کی سرائیکی شاعری

صدیق طاہر

صوفیاء ہماری ثقافت ہیں۔ صوفی شعراء کے کلام کی چھاپ ہماری معاشرت پر اس قدر گہری ہے کہ اس نے ہمیں غیر شعوری طور پر وحدت فِکر کی تسبیح میں پرو دیا ہے۔ ان صوفی وانشوروں کے بول ہمارے کانوں میں رس گھولتے ہیں۔ اور دلوں کو یقین و اطمینان کی روشنی عطا کرتے ہیں۔ وطن عزیز پاکستان کے مختلف خطوں اور زبانوں کے درمیان بھی یہی خوشگوار تعلق فکری یکجہتی کی بنیاد ہے۔ اور صدیوں کے سفر نے بھی ان رشتوں کو کمزور نہیں ہونے دیا۔ پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ہمارے صوفی شعراء نے اپنے وقت کے حکمرانوں کی زبان اختیار کرنے کی بجائے عام لوگوں کی زبان کو ذریعہء اظہار بنایا اور جس زبان کو بھی میدان سُخن کے طور پر منتخب کیا اُسے نفیس اور متنوع پیرایہ ہائے اظہار سے مالا مال کیا اور الفاظ و معنی کے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا۔

حضرت سَچل سرمستؒ کے فکر و فن کی اقلیم سخن کئی زبانوں پر محیط ہے۔ اُنہوں نے فارسی جیسی مقتدر علمی زبان کے سرمایہ تصوف پر بیش بہا اضافے کئے اور اردو سندھی زبانوں کے ادب کو اپنے اظہار و بیان سے وسعت بخشی۔ لیکن سچل سرمستؒ کی سرائیکی شاعری کا پھیلاؤ اور دور رس اثرات باقی سب زبانوں کے کلام کے اثرات کی بنسبت بہت زیادہ ہیں۔ اُنہوں نے فلسفہ تصوف کے مشکل ترین مسائل کو عام فہم اور آسان سرائیکی

شاعری میں بیان فرمایا ہے۔ سرائیکی ادب میں حضرت سچل سے پہلے اتنا بڑا کوئی صوفی شاعر نہیں گزرا۔ ان کی شاعرانہ مصوری یا مصوّرانہ شاعری کی مرکزی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری کے بہت ہی وسیع کینویس پر انسانی جذبات اور دلی کیفیات کی جو شعری تصویریں بنائی ہیں، وہ سرائیکی زبان کے شعری ادب کا لازوال سرمایہ ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت سچل سرمستؒ سرائیکی ادب کے ایک خلّاق محسن ہیں۔ حضرت سچل کا زمانہ یعنی بارہویں صدی ہجری کا نصفِ آخر سرائیکی ادب کا عہدِ زریں ہے۔ اس لئے فارسی، اردو اور سندھی ادب سے ہٹ کر صرف سرائیکی ادب میں حضرت سچلؒ کا مرتبہ سرائیکی شاعری کے ایک ایسے روشن مینار کا ہے، جس کی روشنی ڈھائی سو سال کا عرصہ گذر جانے کے بعد اب بھی تر و تازہ و سبک اور خوشگوار ہے۔

اس عہدِ زریں میں حضرت سچل سرمستؒ کے سرائیکی کلام کا وہ ڈنکا بجا کہ ہر آنے والا سرائیکی شاعر ان کے خوانِ نعمت سے مستفید ہوئے بغیر آگے نہیں چل سکا۔ حضرت سچل سرمست سرائیکی زبان کے آسمانی شاعری کے ماہِ منیر ہیں۔ وہ سرائیکی شاعری کے میدان میں سخن کے واحد شہسوار ہیں جنہوں نے اس زبان کی ہر صنفِ سخن کے تمام مشکل مقامات انتہائی کامیابی سے سر کئے ہیں ان کی قدرتِ اظہار کا یہ عالم ہے کہ ابیات، کافی، غزل، مولود، سی حرفی، جھولنا، گھڑولی، فرد، رباعی، مُسدّس، مخمّس۔ مستزاد وغیرہ ایک درجن سے زائد اصنافِ سخن میں یکساں زورِ بیان کے ساتھ اپنا سرمایہء سخن چھوڑا ہے۔

سرائیکی زبان قلبِ پاکستان کی ایک ایسی زبان ہے جو چاروں صوبوں کے بے شمار محبِ وطن پاکستانیوں کا مادری ذریعہ اظہار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سندھ ہی میں نہیں سرحد کے ڈیرہ اسماعیل خان ڈویژن، بلوچستان کے جنوب مشرقی اضلاع اور پنجاب کے ملتان و بھاولپور ڈویژنوں میں حضرت سچل سرمستؒ کی شاعری کے میٹھے بول یکساں طور پر سُنے اور دل کی گہرائیوں سے پسند کئے جاتے ہیں۔

سرائیکی ادب کے نئے دور کا آغاز مولوی لطف علی سے ہوتا ہے جنہوں نے بارہویں صدی ہجری کے نصف آخر کا زمانہ پایا اور ان کی معروف مثنوی "سیفل نامہ" سنہ 1195ھ میں مکمل ہوئی۔ وہ علی حیدر ملتانی، جمال ملتانی اور عبدالحکیم اُوچی اور امیر بھاولپور

نواب محمد بہاول خان (ثانی) کے مصاحبِ خاص تھے۔ سنہ 1209ھ میں جب مولوی لطف علی کی وفات ہوئی تو حضرت سچل سرمست کی شاعری کا چرچہ عام ہو چکا تھا اس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حضرت سچل سرمستؒ وحدت الوجود کی تشریح اور تصوف کے پیچیدہ مسائل کی توسیع کی طرف بالخصوص حضرت شاہ لطیفؒ کے فیضان کی وجہ سے متوجہ ہوئے سرائیکی شعراء میں سے صرف خواجہ محکم الدین سیرانی سے حضرت سچل سرمستؒ کی ملاقات کا حوالہ تذکروں میں ملتا ہے۔ 'تذکرۂ لطفی' میں پروفیسر لطف اللہ بدوی (شکارپوری) نے لکھا ہے کہ جب خواجہ محکم الدین سیرانی بھاولپور سے آتے ہوئے اِدھر سے گذرے تو خواجہ عبدالحقؒ سچل سرمستؒ کو اُن کے خیر مقدم کے لئے بھیجا۔ اس ملاقات کے بعد حضرت سچل پر جذب و سمتی کی کیفیت طاری رہنے لگی۔

میں ملتان کو سرائیکی زبان کی دلّی اور اور بھاولپور کو اس کا لکھنؤ کہا کرتا ہوں۔ مگر حضرت سچل سرمست کی شخصیت اس قدر ہمہ گیر اور ان کا ادبی مقام اس قدر بلند ہے کہ ان کے حضور ادب میں ایسی علامتی تقسیم بے اثر معلوم ہونے لگتی ہے حضرت سچل کے بعد آنے والے شعراء پر ان کا کس قدر اثر ہے اس کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

صادق گڑھ پیلس میں امیر بھاولپور کے میوزیم سلطانی میں قلمی دیوان احمد یار اُوچوی کا موجود ہے جو اوچ شریف کے باشندے اور امیر بھاولپور نواب بہاول خان (ثالث) کے درباری شاعر تھے۔ زمانہ کے اعتبار سے وہ حضرت سچل سرمست سے ایک سو سال بعد پیدا ہوئے۔ مگر ان کے کلام میں اظہار و ابلاغ کے وہ سانچے استعمال ہوئے ہیں۔ جن کی تخلیق و تشکیل حضرت سچل سرمست کی طرف سے ہوئی تھی۔

سچل سرمست فرماتے ہیں:

ہک ڈیہنہ میکوں مرشد آکھیا، توں مئے پیالہ پیویں
آکھیم ایویں سائیں ایویں
اپنی ذات لُکا اِتھ بیٹھیں، تیڈا مطلب کھیسی کیویں
آکھیم ایویں سائیں ایویں

آکھیس مار یا حلاج نغاراء، سچل توں بھی ماریں تیویں
آکھیم ایویں سائیں ایویں

احمد یار کہتے ہیں کہ:

جدوں تیر برھیں دا لگے - ہرگز زخم نہ سیویں - آکھیم انیویں
زہر پیالہ عشقی والا - شربت کر کر پیویں - آکھیم انیویں
احمد یار جویں فرمائے - تو بھی آکھیں انیویں - آکھیم انیویں

اس نمونہء کلام سے آسانی کے ساتھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت سچل سے ایک صدی بعد کے شعراء بھی اُن کے اثر سے نہیں نکل سکے۔ اس طرح سرائیکی شاعری کے امراء القیس حضرت خواجہ فریدؒ نے بھی حضرت سچل سرمستؒ کے کلام سے بے پناہ استفادہ کیا ہے۔ ملتان کے نامور ادیب علامہ عبدالرشید نسیم طالوت نے دیوانِ فرید مرتب عزیز الرحمٰن کے دیباچہ میں اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے بجا طور پر اشارہ کیا ہے کہ اُن کے سامنے مولوی لطف علی اور حضرت سچل سرمستؒ کے سوا اعلیٰ شاعری کے کوئی نمونے نہ تھے۔

حضرت خواجہ غلام فرید کے کلام میں بعض دفعہ مواد کی یکسانی کے ساتھ ساتھ زمین شعر حتیٰ کہ الفاظ تک ایک جیسے ہیں۔ اس عہدی وابستگی کی تحقیق کرتے ہوئے "سچلؒ جو سرائیکی کلام" (مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ) میں مولانا محمد صادق رانی پوری نے نشان دہی کی ہے۔ حضرت خواجہ غلام فرید کے ایک مرید نواب قیصر خان مگسی، والیٔ ریاست جھل (بلوچستان) جب اپنے مرشد کے یہاں چاچڑاں شریف آئے تو سندھ کے موسیقار بھی ساتھ لائے، جو حضرت خواجہ کو صوفی شعراء بالخصوص حضرت سچل سرمست کا کلام سناتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خواجہ فرید کے قلم سے ایسے اشعار نکلے جو حضرت سچل سرمست کی مشہور کافیوں کی تقلید میں لکھے گئے ہیں۔ بحر، مطالب اور اصطلاحات تک میں مشابہت ہی نہیں یکسانیت تک کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً حضرت سچل کہتے ہیں۔

توڑي پني لڳي سارو جڳ،
تہ بہ چا ٹيو؟
ناهي مجتا ۾ مطلب.

حضرت خواجہ فرید کہتے ہیں:

تھی تابع خلقت سب
تاں دی کیا تھی پیا؟
ہم گم تھیون مطلب

حضرت سچل نے فرمایا:

آءٕ چو ڈکن کاڻ ڄائي آهيان.
سورن کاڻ سمائي آهيان.

حضرت خواجہ فرید کہتے ہیں:

ڈکھڑیں کارن جائی ھم
سُو لیں سانگ سمائی ھم

حضرت سچل سرمست کا قول ہے:

فارغ آهيان فرض کان، سُنّت کي به سلام

حضرت خواجہ فرید فرماتے ہیں:

گذرے فرض فریضے، سُنت کُوں بھی سلام

آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ سندھی ادب کی ایک روایت جو حضرت شاہ لطیفؒ اور حضرت سچل سرمستؒ سے مستحکم ہوئی۔ اور سرائکی شاعری میں مقبول ہوئی، وہ یہ ہے کہ کافی کے ساتھ اس کا سُر بھی درج کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت سچل کے ڈیڑھ سو سال بعد آنے والے معروف شاعر حافظ نصیر الدین خرّم بھاولپوری نے بھی اپنی کافیوں کے ساتھ سُر درج کئے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت سچل سرمستؒ کی فکر اس قدر تازہ، اُنکی شاعری کی روایت اس قدر مضبوط اور اثرات اتنے گہرے ہیں کہ آنے والی صدیوں میں اس چراغ کی روشنی مدھم پڑنے کے بجائے اور نکھرتی چلی جائیگی۔

حضرت سچل سرمست کی مثنوی

وحدت نامہ کا اجمالی جائزہ

پروفیسر ابراہیم خلیل

وحدت نامہ ودائی مہران کے مشہور و معروف صوفی صافی پر گو اور متعدد اللسان شاعر اور وحدت الوجود بے باک 'مبلغ' منصور آخر الزمان، حضرت حافظ عبدالوہاب (متوفی 1342ھ 1827ء) موسوم بہ سچیڈنہ، سچو اور سچل متخلص بہ خدائی آشکار کی تصنیف ہے۔ سچل بن صلاح الدین بن خواجہ محمد حافظ المعروف بہ سائیں صاحب ڈنہ درازہ قصبہ رانی پور، ضلع خیر پور میرس سندھ میں 1152ھ مطابق 1739ء تولد ہوئے۔ یہ سال تاریخ ہند میں اس لئے بھی مشہور ہے کہ اس سال نادر شاہ نے دلی کو تاراج کیا تھا، سچل ایک صوفی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے دادا نے خانقاہ درازہ کی بنیاد ڈالی تھی جو اب سچل کی آخری آرام گاہ ہے اور اسی نسبت سے اب خانقاہ حتیٰ کہ درازہ معروف ہے۔ سچل اپنے حقیقی چچا خواجہ عبدالحق سے بیعت تھے۔

سچل بڑے پر گو شاعر تھے۔ ان کے اشعار کی تعداد نو لاکھ سے زیادہ ہے انہوں نے فارسی، سندھی اردو اور سرائیکی میں داد سخن دی۔ انہیں ہفت زبان شاعر بھی کہا جاتا ہے لیکن یہ بات متنازعہ فیہ ہے۔ اس میں البتہ شبہ نہیں کہ جو شہرت اور مقبولیت سندھ میں سچل سرمست کو حاصل ہوئی وہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے علاوہ کسی کو حاصل نہ ہوئی سچل

کے متعلق شاہ عبداللطیف بھٹائی نے کہا تھا کہ جو ہانڈی ہم نے چڑھائی ہے اس کا ڈھکنا یہ بچہ اٹھائے گا۔ یہ پیش گوئی صحیح بھی ثابت ہوئی۔ سچل کے پسندیدہ موضوعات، وحدت الوجود، وحدت و کثرت، حال و قال، نفی و اثبات وغیرہ تھے۔

وحدت نامہ میں خدا کی وحدت اور یکتائی کا ذکر ہے۔ وحدت سے سچل سرمست کا اشارہ وحدت الوجود کی طرف ہے جسے انہوں نے نوبہ نو تمثیلوں اور بے شمار مثالوں سے ثابت کیا ہے۔ متصوفین کے نزدیک درس و تدریس، کتب بینی، مطالعہ یا لیکچرز سے علم الیقین تو پیدا ہو جاتا ہے لیکن ان مساعی سے "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" کے مصداق کما یقین نہیں حاصل کیا جا سکتا۔ ایقان محض مشاہدہ کے بغیر ممکن نہیں۔ عین الیقین اور اس کے بعد حق الیقین کے لیے عشق سے سرشار ہو کر دریائے معرفت کی شناوری لازمی ہے اسلئے کہ ذوق ایں بادہ بدانی بخداتا نچشی۔

عشق میں عاشق صادق مطلوب محض کے علاوہ ہر چیز سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ سچل کہتے ہیں کہ میں نے مذہب عشق اختیار کیا اور تمام چیزوں سے بے نیاز ہو گیا۔ حتیٰ کہ تکالیف شرعیہ کو بھی ترک کر دیا۔

گہ گناہ گاہ ثوابی پیش ازین خلق خرابی، نیست بر جسم نگاھم تو بدانی بر راھم
عشق باشد ھمراھم ، نہ ثوابم نہ گناھم
یک دانم یک خواھم گدایم کہ شاھم، گاہ ھستیم ربابم، گاہ گاہ چوکبابم
گاہ در سوال و جوابم، گاہ شب و روز شرابم
گاہ شہ گاہ نوابم، نیست درکار ثوابم

یعنی اہل علم ظاہری چیزوں مثلاً گناہ و ثواب کے درپے رہتے ہیں اس لئے خوار ہوتے ہیں۔ میں تو ہمہ وقت ایک ہی کو جانتا تو اس ہی سے عشق کرتا ہوں اس کے سوا مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔ بقول غالب

طاعت میں تار ہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو

تکالیف شرعیہ کے ساتھ انہوں نے مذہب و ملت کو بھی خیر باد کہ دیا تھا۔ فرماتے ہیں:

اندر آن جانہ عبادت، نہ بود کشف و کرامت نہ جماعت نہ امامت، ھست التفات اضافت
نہ سلامت نہ ملامت، دعوت و ھم رجاعت
نہ ضلالت نہ ھدایت
بگذر از نام نامی، دور ش از سلامی، خواجگی وچہ غلامی، کن رھا تم تمامی
خود بدان تاتوکدابی، باش درخیال مدامی
تم شو ازہر کلامی
نیست زانجا بگذشتن، دست از عالم شستن، بازپس نیست برفتن ازھمہ دل بگستن
ھست این جای کشتن، از کفر و دین برگشتن

یعنی میں جہاں ہوں نہ وہاں عبادت، جماعت، امامت ہے اور نہ کشف و کرامت اور یہ منزل خلافت دوہدایت دعوت و ملامت اور سلامتی ہر خیر و شر سے بالا ہے اس منزل میں عظمت و بزرگی ہے۔ نہ نام و شہرت یہاں قیل و قال کو ترک کیا جاتا ہے اور تدبر اور تفکر کیا جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں مادی تعلقات سے ہمیشہ کے لئے منہ موڑ کر حتیٰ کہ دین و کفر سے بے نیاز ہو کر منزل فنا کو جادہ پیما ہونا پڑتا ہے۔

بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ تمام علائق اور پابندیوں سے دست کش ہونے اور دنیا سے کنارہ کشی کے بعد ایک اور بڑے بت کو توڑنا پڑتا ہے اور وہ خودی کا بت اور انا کا مجسمہ یعنی اپنی خودی کو فنا کرنا اور خود کو خیر باد کہنا ہے سچل فرماتے ہیں۔

آداب این جا شکسیم، زمسائل بگذشتیم وبہ کمر تیغ بستیم، نوداز عشق بدمستیم
ز مسلمانی رفتیم جزیار ہیچ نہ جستیم
حقا کہ از خود رستم سخن راست گفتم، اشک از دیدہ روانم، کم از دور بیانم

یعنی میں نے اسلام ترک کیا اور محبوب کے علاوہ کسی کی فکر نہ کی عشق کی تکالیف برداشت کیں، اپنے کو فنا کیا، تب پتہ چلا کہ میں راز الاہی ہوں۔

یہ مذہب عشق کی کوئی بدعت نہیں۔ یہ ضابطہ عشق کا پہلا ضابطہ ہے۔
میر کہتے ہیں۔

میر کے دین و مذہب کو کیا پوچھتے ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

اسی طرح ترک خودی کا معاملہ ہے۔ غالب کہتے ہیں۔

ہر چند سبک دست ہوئے بت شکنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگِ گراں اور

اس "سنگ گراں اور" ہی کو پاش پاش کر کے سالک منزل مقصود حاصل کر سکتا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا —غالب

فنا کے بعد وہی مقام آجاتا ہے "نہ ہوتا میں" اور سالک "نہ" ہو کر "وہ" ہو جاتا۔ اسے سچل کی زبان سے سنئے۔

نہ کسے داند عالم، موھوم اشکالم، ہر کجا او تو کجائی، بگذر از من و مائی
گر بہ بحر مدم آئی، نہ فنائی نہ بقائی
چہ زنی نعرۂ گدائی، خود شناس خدائی، بہ یقین دان تو اوئی، دست از عالم شوئی
نعرہ اناالحق گوئی، پس کراتا بجوئی

یہ مقام بحر عشق میں غوطہ زنی سے حاصل ہوتا ہے۔
سچل نے عشق کی دو نشانیاں، دو علامتیں اور دو کام بتائے ہیں جو درج ذیل ہیں۔
دو نشانیاں تو یہ ہیں کہ۔

عشق دارد دو نشانی، می کند این تن خانی، پس بقا باقی مانی این اشارت من رانی
زحدیثات بخوانی، سر دانی

یعنی جسم کو فنا کر دیتا ہے اس کے بعد بقا حاصل ہوتی ہے یعنی فنافی اللہ کے بعد بقا باللہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے جس کی تصدیق حدیث نبوی سے ہوتی ہے۔ عشق کی دو علامتیں یہ ہیں۔

عشق دارد دو علامت، اول آرد بہ ملامت، پس آنگہ بہ سلامت، کشداز جمع وجماعت
نی برد تا بہ نہایت، برساند بہ کمالت

پہلے یہ مردود بناتا ہے پھر اطمینانِ قلب عطا کرتا ہے۔ اس درجے پر پہنچکر سالک سے الگ تھلگ رہنا پسند کرتا ہے اور درجہ کمال پر پہنچاتا ہے۔ اور عشق کے دو کام سچل نے یہ بتائے ہیں۔

عشق دو کار بداند، اول از خود برھاند، سر بہ شمشیر براند، جز خدا، ھیچ نماند
پس بہ محبوب رساند، غیر خیالات براند

عشق خودی کو فنا کر دیتا ہے۔ ماسوا اللہ سے بے نیاز کر دیتا ہے پھر خدا ہی خدا رہ جاتا ہے اور خدا کے سوا کچھ نہیں رہتا سالک اس منزل پر اس وقت پہنچ سکتا ہے جب اس منزل سے گزر چکا ہو۔

عشق چو بر آرد، اشک ازدیدہ بیارد، رو بہ ناموس نیارد، ھیچ جائی نگذارد
دانہء سبحہ نہ شمارد، در راہِ حق بسپارد

جب عشق بیدار ہوتا ہے تو آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔ عزت وناموس ختم ہو جاتی ہے اور سالک سبحہ گردانی کے بجائے جانسپاری پر آمادہ ہوتا ہے۔

سچل نے وحدت اور کثرت کے متنازعہ فیہ مسئلہ کو چند بڑی دلنشین اور موثر تمثیلوں سے سمجھایا ہے وہ کہتے ہیں کہ ذات واجب الوجود واحد ہے ماسوا صرف شیونِ باری تعالیٰ ہیں جو مختلف اشکال میں منعکس، مصور اور تشکل ہو کر ہمیں نظر آتی ہیں۔ جس طرح موم سے مختلف صورتیں بنائی جاتی ہیں تو وہ گو شکل وصورت میں تو مختلف ہوتی ہیں مگر ان کی اصل صرف موم ہی ہوتا ہے۔ یہی حقیقت آشکار سچل کہتے ہیں۔

آشکارا بہ زبانی، چند تمثیل درآنی می دہم تانکہ نشانی، الف از موم صور کن
اسپ یا فیل و شتر کن، یا شگال وسگ دزاکن خر
پس ز آنھا تو گذر کن، از جملہ بر موم نظر کن؛ موم او ماند فکر کن، موم راھم نہ دگر کن
دوئی از دل تو بدر کن؛ ماند باقی چہ خبر کن

طنبورے کی مثال دیتے ہوئے سچل کہتے ہیں کہ گو سوز وساز کے نغمے طنبورے سے نکلتے ہیں لیکن یہ آوازیں یہ راگ یہ نغمے طنبورے کے نہیں ہیں بلکہ یہ تو صاحب طنبورہ کے ہیں۔

من طنبورہ یارم، ھست درست نگارم، می سراید بہ کنارم، بہ نغمہ سوز اسرارم
نوح نوح گفتارم، نی صدا از خود دارم

اسی طرح سچل نے وحدت اور کثرت کی بھی مثالیں دی ہیں مثلاً گنے، روئی، مٹی اور سونے وغیرہ کی اور ان سے بنی ہوئی اشیاء کی مثال گنے سے قند و مصری۔ روئی سے نوع بہ نوع کے کپڑے، سونے سے طرح طرح کے زیور اور انواع و اقسام کی چیزیں گویا کثرت کے مثل ہیں اور جن چیزوں سے یہ اشیا بنتی ہیں وہ وحدت کے مثل ہیں قصہ مختصر یہ کہ وحدت سے کثرت ظاہر ہوتی اور باقی وہ ذاتِ واحد ہے سچل کہتے ہیں۔

اے ز وحدت کثرت بین، قند و مصری و شکر بین در اصل نیشکر بین، زو ھمین ہر اثر بین
ھست یکساں نہ دگر بین، اے پسر کن تو نظر بین
پنبہ دان راتو بدانی، گشت صد پارچہ زانی، جامہ دستار چنانی، پوش دادہ بہ جہانی
چہ عیانی چہ نہانی، ھمہ زیست سبحانی

—

شد ظرف از گل پیدا، چوں سبو کوزہ، ھویدا، گل درآن شدہ ناپیدا، چہ سیاہ سرخ سفیدا

—

اے تو در اصل طلاداں، زو زیوارت نمادان، بہ ھر یک اسم دران اسمواران فنادان
اصل راھم جو بقا دان، نہ ھمیں دان نہ ھمادان

اے تو پیدا از مادر، کردہ ات دایہ دربر، چند روز کہ سراسر، پروش۔۔۔ تو کرد شب و روز در بر، عاشقی تو بہ دیگر، محو شد اصل ز خاطر، نقش دانستی حاضر برق رخشندہ سحابی، بزنہ نعرہ شتابی، قطرہ بارد بہ ترابی، دشت پر گشت ز آبی چشمہ چوں ابر جمالی، باش بیرون ز نقابی

وحدت آمد ادب رفت، ادبم راسر بشکست، تیغ الابہ یکی دست، زدبہ لاغیر ھمہ گشت ھرچہ لودہ است ایہاں گشت، بی ہمہ ھم بہ ھم مست

او توئی غیر نیستی، زدبود این ھمہ ھستی، شوی آگاہ زمستی، چون ازین جسم مستی پس ز دین کفر گذشتی تابہ بالای تو رفتی، گوکجا ماندہ پستی

سچل کہتے ہیں چونکہ جملہ ممکن الوجود داشیاء ذات واجب الوجود کا پرتو ہیں اس لئے جوں ہی پرتو اوجھل ہوتا ہے وہ شے فنا ہو جاتی ہے اور صرف اصل باقی رہ جاتا ہے۔ سایہ کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی حقیقت صرف اصل کی ہوتی ہے۔ اور سایہ پر کوئی پابندی نہیں ہوتی اس لئے کہ وہ قائم الذات نہیں ہوتا۔ اسی لئے وہ تکالیف شرعیہ کا مکلف بھی نہیں ہوتا۔ اور تکالیف شرعیہ عوام کیلئے ہوتی ہیں۔ جو نا آشنائے حقیقت ہوتے ہیں۔ نباض۔ آشنایانِ راز۔ مردانِ حق آگاہ اس کے مکلف نہیں ہوتے وہ تو ہمہ وقت دریائے فنا میں غواصی کرتے ہیں۔

سچل کہتے ہیں کہ یہ وہی باتیں جو میرے مرشد نے مجھے سکھائی ہیں۔ انہوں نے مجھے رموز و اسرار الاہی سے آشنا کیا۔ نعرہ اناالحق بلند کرنے کا حکم دیا۔ میرے مرشد دنیا بھر کو ہدایت دیتے تھے۔

آنچہ گفتم کہ برحق، صفت پیر عبدالحق، این حقیقت تحقیق، کل شی ھست ھم حق گفت آن خواجہ عبدالحق، شدز ما نعرۂ اناالحق

پیر ما پیر جہاں است، بہ تحقیق سلطان است، او بہ کونین عیان است، نعت بیرون ز بیان است ظاہر است نہ نہان است ، سر خدائی قربان است

ما مرید دل و جانم، نام او روز و شبانم؛ کہ بود ورد زبانم، منقش ہر دم خوانم
ھست از عشق بیانم، زو شدہ راہ رد روانم

—

آخر میں وحدت نامہ میں پانچ بند سرور کونین کی نعت میں ہیں اس کا وہ بند خاص طور پر قابل ذکر ہے جس میں۔ انا احمد بلا میم حدیث کا ذکر ہے۔ اس حدیث کا سچل نے اکثر ذکر کیا ہے۔

درود عالم شاہ شاہان توئی، در مظاہر خاص انسان توئی
از احد احمد تو گشتی آشکار، ذات پاک استی بگویم بار بار
من زکار بہ پشیمانم، بنگری عالم پریشانم بسي

مثنوی عشق نامہ میں سچل نے کہا ہے۔

از محمدؐ شد عیان اسرار ھا؛ گفت آن انا احمد بلا میم بار ھا

سچل عظیم شاعر و مفکر

قاضی علی اکبر درازی

سندھ کے عظیم شاعر سر تاج الشعراء، شہنشاہ عشق منصور آخر زمان حضرت سچل سرمست 1152ھ مطابق 1739ء میں تولد ہوئے۔ آپ کا پیدائشی نام نامی اسم گرامی عبدالوہاب ہے لیکن راست بازی اور راست گوئی کی وجہ سے انہیں سچو، سچل، سچیڈنہ کہا جانے لگا اور اسی نام سے ان کی شہرت ہوئی۔ وہ ایک طرف صاحب عرفان ولی اور بقاباللہ کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے۔ دوسری طرف بلند پایہ اور عظیم المرتبت شاعر اور وادی سندھ کے لئے قابل فخر شخصیت تھے۔ حضرت سچل سرمست کا سلسلہ نسب 39ویں پشت میں حضرت فاروق اعظم رضہ سے جاملتا ہے۔ ان کے اجداد میں سے ایک بزرگ شیخ شہاب الدین فاروقی غازی محمد بن قاسم کے ہمراہ سندھ میں آئے تھے جنہیں فتح سندھ کے بعد سیوستان (سیوہن) کا حاکم مقرر کیا گیا۔

ولادت اور تعلیم و تربیت

اس فاروقی خاندان کے ایک کامل اکمل ولی خواجہ محمد حافظ المعروف بہ صاحبڈنہ وادی سندھ کے ضلع خیرپور میں قصبہ رانی پور سے ایک میل کے فاصلہ پر "درازا شریف" نامی گاؤں میں سکونت پذیر تھے جن کے دو فرزند ہوئے ایک کا اسم گرامی خواجہ صلاح

الدین تھا۔ اور دوسرے کا اسم گرامی خواجہ عبدالحق۔ سچل سرمست خواجہ صلاح الدین کے لخت جگر نور نظر تھے۔ خواجہ محمد حافظ کی رحلت کے بعد ان کے چچا مسند ارشد وہدایت پر جلوہ افروز ہوئے۔ سچل سرمست کے چچا نے اسلامی روایات کے مطابق ان کو دینی تعلیم کے حصول کے لئے حافظ عبداللہ فاروقی کے سپرد کیا جن سے انہوں نے فارسی اور سندھی تعلیم کے علاوہ قرآن مجید کا درس بھی لیا۔ اور بارہ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ چالیس برس کی عمر تک پہنچنے کے بعد خواجہ عبدالحق نے ان کو اپنا طالب بنایا اور عرفان الاہی سے مستفیض فرما کر خرقہ ءخلافت عطا فرمایا۔

سچل سرمست نے اپنی "مثنوی دردنامہ" میں فرمایا ہے۔

یک روز بہ پیر خود رسیدم
جز درد نہ قصہا شنیدم
ھر گہ کہ بہ من نظر او کردے
پر درد پیر ھمے شدم بدردے

یعنی میں ایک روز پیور کے حضور میں حاضر ہوا۔ جہاں میں نے درد کے سوا اور کوئی بات نہیں سنی۔ جس وقت وہ میری طرف دیکھتے اُس وقت میں درد سے معمور ہو جاتا۔

کلام

سچل سرمست کا کلام سراپا الہامی ہے اور محبت و سوز، درد و گداز کیف و حال، جذب و جلال موج و مستی کے فلسفہ کا ایک بھرپور گنجینہ ہے۔ جو بیخودی، وجد، جذب و سرمستی کے عالم میں کہا گیا ہے۔ اس عالم میں ان کے سر مبارک کے لمبے اور لٹکے ہوئے بال سیدھے ہو کر کھڑے ہو جاتے اور آنکھوں سے اشک جاری ہو جاتے۔ اسی حال میں اشعار کی آمد اس کثرت سے ہوتی گویا ایک دریائے موج ہے جو اُمڈا چلا آرہا ہے۔ اس وقت جو طالب اور کاتب موجود ہوتے وہ ان کا کلام قلمبند کر لیتے۔ اگر کوئی لفظ یا مصرعہ ان کی سمجھ میں نہ آتا تو وہ سچل سرمست کے ہوش میں آجانے کے بعد اس کے بارے میں ان سے

پوچھتے، مگر اس سرمست کی طرف سے ان کو یہی جواب ملتا کہ "کہنے والے نے کہا ہے مجھے کچھ بھی نہیں معلوم"۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا کلام نو لاکھ چھبیس ہزار چھ سو چھتیس اشعار پر مشتمل ہے۔ جو سات زبانوں عربی، فارسی، اردو، ہندی، پنجابی، سرائکی اور سندھی میں کہا گیا ہے۔ اور اسی بنا پر ان کو "شاعر ہفت زبان" کہا جاتا ہے۔ یہ اشعار حسب ذیل اصناف میں موجود ہیں۔

کافی۔ ابیات۔ غزل۔ مولود۔ مرثیہ۔ مثنوی۔ سی حرفی۔ جھولنہ۔ گھڑولی۔ فرد۔ رباعی۔ مسدس۔ مخمس۔ مستزاد وغیرہ

غرض یہ کہ ہر صنف سخن میں ان کے سینکڑوں اشعار موجود ہیں اور شاعری کا کوئی بھی پہلو تشنہ نظر نہیں آتا شعر کے کمال فن کا یہ بین ثبوت ہے۔ یہ خوبی کسی اور شاعر کے شعر میں نہیں مل سکتی۔ اس بنا پر اگر اس اقلیم سخن کے تاجدار کو "سرتاج الشعراء" کہا جائے تو یہ نہ تو مبالغہ ہو گا اور نہ خلاف واقعہ۔ فارسی کلام میں آپ کا تخلص "آشکار" اور "خدائی" ہے اور سندھی اور سرائکی میں "سچل" "سچو" اور "سچیڈنہ" تخلص کے طور پر ملتے ہیں۔ آپ کا سندھی اور سرائیکی کلام دو ھیڑوں۔ کافیوں۔ جھولنہ۔ گھڑولی اور دوسری اصناف سخن میں موجود ہے اور شایع ہو چکا ہے۔ آپ کی فارسی تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

(1) دیوان آشکار (2) مثنوی عشق نامہ (3) مثنوی درد نامہ (4) مثنوی گداز نامہ (5) مثنوی تار نامہ (6) مثنوی رہبر نامہ (7) مثنوی وحدت نامہ (8) مثنوی راز نامہ (9) غزل بحر طویل (10) دیوان خدائی۔

خدا کے فضل سے آپ کی تمام تصنیفات شائع ہو چکی ہیں۔ دیوان آشکار کے سوا سب ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئی ہیں۔

مقام معرفت

طریقت کی چار منزلیں ہیں

(1) فنافی الشیخ (2) فنافی الرسول (3) فنافی اللہ (4) بقاباللہ

(1) مرشد میں گم ہو جانا (2) رسول میں گم ہو جانا (3) اللہ میں گم ہو جانا (4) فنا نہ

ہونے والی زندگی حاصل کرنا۔ یہ عشق کی بقاباللہ کی اعلیٰ منزل پر فائز تھے۔

نوري ناري ناهيان
آهيان رب جبار

ترجمہ۔ میں نہ نوری ہوں اور نہ ناری بلکہ خود خدا ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ ان کو شہنشاہ عشق اور منصور ثانی کہا جاتا ہے دیگر شعراء زیادہ سے زیادہ فنافی اللہ کی منزل تک رسائی رکھتے ہیں۔ بقاباللہ کی منزل سب کو نصیب نہیں ہوسکتی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

ذالك فضل الله يوتيه من يشاء

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

عاشق سرمد کا قول ہے۔

ایں دولت سرمد ہمہ کس رانہ دھند

یعنی اے سرمد! یہ ولایت سب کو نہیں بخشی جاتی۔

یہ اللہ پاک کے جذبہ و جلال میں سے ایک پاک اور خاص نعمت ہے جو صرف ان صاحب حال عشاق کو نصیب ہوتی ہے جو مرد مجاھد جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ اسرار پر سے نقاب ہٹاتے ہیں اور نقاب ہٹانا عام آدمیوں کا کام نہیں ہے۔

اقلیم سخن کے اس تاجدار کا سندھی زبان میں ایک شعر ہے۔

ناهي ميسر ملكن اها امانت عشق جي

یعنی عشق کی امانت جو سچل کو ودیعت ہوئی ہے وہ فرشتوں کو بھی نصیب نہیں ہوسکتی۔ آپ نے اپنی فارسی تصنیفات میں فرمایا ہے۔

او تعالیٰ عشق مارا تحفہ داد
در وجودم علم عشاقی نہاد
لطف برما کرد سید المرسلین
کرد مارا از گروہ عاشقین

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے عشق مجھے تحفہ کے طور پر عطا کیا ہے اور عشاقی کا علم میرے وجود میں رکھ دیا ہے۔

سید المرسلین نے ہم پر مہربانی کی کہ ہم کو عاشقوں کے گروہ میں شامل کر لیا۔

اس لحاظ سے شاعری میں ایک خاص اور اعلیٰ مقام کے علاوہ یہ رند عاشق درجہ ولایت میں بھی دیگر شعراء سے ایک اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں۔ اس لئے آپ کو شہنشاہ عشق کہا جاتا ہے۔ آپ نے خود اپنے "دیوان خدائی" میں فرمایا ہے۔

اے شاہ شاہا نیم ما از گل صفا خیمہ ز دم

(اے دوست میں شہنشاہ ہوں۔ میں نے پھولوں کا خیمہ لگایا ہے۔)

آپ کی فارسی تصنیف "دیوان آشکار" میں اس مضمون کے بہت سے اشعار ملتے ہیں۔ اردو شعر میں فرماتے ہیں۔

اگر اثبات کو جانو، نہ ہرگز تم گدا ہو گا
یقین کرنا گدا گر ہو، و لیکن خود خدا ہو گا
ہو الاول ہو الاخر، ہو الظاہر، ہو الباطن
یہاں وہ ہی، وہاں وہ ہی سچل کہہ تم کجا ہو گا

اردو شعر میں جو نازک خیالی دکھائی گئی ہے وہ قابل قدر ہے۔

عاشق رسول اللہ

سچل سرمست، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عاشق صادق ہیں۔ آپ کے کلام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثنا اور صفت میں بہت سے اشعار ملتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

مصطفیٰ را نور حق میدانی یقین
تا رسی در قرب رب العالمین

(یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا نور سمجھ۔ اور اس پر یقین کر تا کہ تو پروردگار عالم کا قرب حاصل کر سکے۔)

دیوان آشکار میں فرماتے ہیں۔

ہمیں گویند کہ ایں بد راہ باشد
نہ بد راہ است لیکن شاہ باشد

شکایت کئے کنی اے پارسا بیں
کہ آں عاشق رسول اللہ باشد

اگر پر عیب ہم بدکار باشم
یقین دانی کہ او ہمراہ باشد

(یعنی میرے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ یہ بد راہ ہے۔ لیکن میں بد راہ نہیں ہوں۔ میں تو شاہ ہوں (اے زاہد) تم میرے لئے کیوں شکایت کرتے ہو۔ میں تو عاشق رسول اللہ ہوں۔ اگر میں پر عیب اور بدکار ہوں لیکن یقین کرنا کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے مدد گار ہیں۔)

سرائکی کلام میں فرماتے ہیں۔

کل نبیاں دا سرتاج محمدؐ
بحر عرف امواج محمدؐ
قاب قوسین او ادنیٰ
شرف شب معراج محمدؐ
امت تیری کیوں غم کھاوے
جس دی تیکوں لاج محمدؐ
سچل کوں غم کیہا
کیتا لا یحتاج محمدؐ

سرچشمہ فیض

سچل سرمست کا دریائے فیض ہمیشہ جاری رہا اور اب بھی جاری ہے ان کے جود و عطا کے بحر بے پایاں سے کئی سالک اور طالب بہرہ ور ہوئے جن میں سے فقیر نانک یوسف، فقیر محمد یعقوب، فقیر محمد صالح قادری، فقیر محمد صلاح، فقیر سید خیر شاہ، سید دین شاہ، فقیر غلام حیدر شر، فقیر گہرام جتوئی، اور فقیر ہزہائی نس سر میر علی مراد خان ٹالپور والی ریاست خیر پور کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام سالک اور طالب صاحب ولایت گذرے ہیں۔ ان میں سے بعض کی مسندیں اب بھی قائم ہیں اس لئے آپ کو "پارس حقیقی" کہا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

طالب کسی نیست کہ آید سوئے ما
تا ز بانم عشق گیرد بوئے ما

(ایسا کوئی طالب نہیں ہے جو میری طرف آجائے اور میرے عشق کے باغ کی خوشبو سے معطر نہ ہو جائے)۔

ہمچو فانوس ہستی جسمت اے پسر
شد چراغ نور جانت سر بسر
اندرونش شد چراغ آں نہاں
پارہ کن فانوس را اے جواں
تا شود پیدا چراغ افروز جاں
دور کن تن و جسم رازاں میاں

ترجمہ:

1۔ اے میرے بیٹے تمہارا جسم فانوس کی طرح ہے اور تمہاری جان شمع کے نور کی طرح ہے۔
2۔ تمہارے جسم میں وہ نور پوشیدہ ہے اس لئے تم اس جسم کو فنا کر دو۔
3۔ تب وہ روشن بتی ظاہر ہو جائے گی اس لئے تم اپنے جسم کو مٹادو۔

علم بردار امن

صالح اور صحت مند معاشرہ امن کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضرت سچل سرمست امن پر زور دیتے ہیں اور انتشار اور شر سے روکتے ہیں۔ اپنے دیوان آشکار میں فرماتے ہیں۔

جنگ با مردان چہ داری جنگ کن با نفس خویش
نفس را بشناسی در رحمت رحمان در آ

معنیٰ: آدمیوں سے لڑائی کرنے کے بجائے تم اپنے سرکش نفس سے جنگ کرو۔ اپنے نفس کو پہچان اور اللہ کی رحمت میں داخل ہو۔

کاش! اگر خلق خدا اس مرد مجاہد کے کہنے پر عمل کرے تو ملک سے تمام فتنے فساد دور ہو جائیں۔

فکر و نظر

سچل سرمست کے کلام میں فکر کی بلندی اور فن کی پختگی ملتی ہے۔ یعنی آپ کا کلام فکر خواہ فن کے لحاظ سے اعلیٰ اور عظیم ہے۔ دنیا میں کوئی شاعر، آپ کی شاعری کا اس لحاظ سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ آپ کے کلام میں اعلیٰ فکر ہے۔ معرفت الاہی ہے اور انسانی خیال کی معراج ہے۔ آپ نے خود فرمایا ہے کہ "میں سراپا فکر ہوں اور صاحب فکر ہی میرے سخن کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے" فن کے لحاظ سے آپ کا کلام عظیم ہے۔ انہوں نے بہت سی زبانوں میں فنی پختگی کے ساتھ مختلف اصناف سخن میں کثیر تعداد میں اشعار کہے ہیں۔ ان خصوصیات کی وجہ سے آپ کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے۔

دیگر شعراء نے صرف سسی پنہوں۔ ہیر رانجھا۔ جام اور نوری اور وامق عذرا کا تعارف کرایا ہے۔ اور ان کی شاعری یہیں تک محدود ہے لیکن اس عالمی شاعر کی، شاعری لا محدود ہے۔ اور انہوں نے دنیا بھر کے عشاق کا تعارف کرایا ہے اور ان کی اُنسیت تمام عالم کے عشاق کے ساتھ یکساں ہے۔

سر تاج الشعراء شہنشاہ عشق سرمست کا فلسفہ ہے "خود شناسی" یعنی اپنے آپ کو پہچاننا۔ جیسا امام العاشقین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد عالی ہے۔

"من عرف نفسه فقد عرف ربه"

یعنی: جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے پروردگار کو پہچانا۔

وصال

یہ شاعر اعظم اور ولی کامل سنہ 1829ء مطابق 14 رمضان المبارک سنہ 1242ھ میں واصل بحق ہوئے۔ ہر سال 14 رمضان کو ان کا عرس مبارک درگاہ درازا شریف میں بڑی دھوم دھام اور عقید تمندی کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ جس میں ان کے عقیدت مند ہزاروں کی تعداد میں شرکت کرتے ہیں۔ ہندوستان سے بھی عقیدت مند ہر سال آتے ہیں۔

در دو عالم بادشاہ عشق سیار آمدہ
گہ بہ مومن، گہ بہ مسلم، گہ بہ کفار آمدہ
نعرہ اناالحق زدہ 'منصور' بر سردار رسد
تیغ عشقش نا گہاں، بر شیخ 'عطار' آمدہ
تا کہ از لاہور 'سرمد' رفت و در دھلی رسید
سر بر انیدہ زخود تکرار بیزار آمدہ
در طریق 'عاشقی' صنعان، برفت از خویشتن
کرد سبحہ برطرف در زیر زنار آمدہ
شاہ شرف الدین قلندر 'بو علی' سردار عشق
یار قاتل او مبیں از ملک تاتار آمدہ
'نجم الدین کبریٰ' و 'عبداللہ ھروی، ھر دو یار
قتل گشتہ آں ز نیزہ عشق در کار آمدہ

عشق سلطان واقع با 'شمس تبریزی' چه کرده
پوست از جسمش جدا کرده بدیدار آمده
در خراساں بود عاشق نام "عبدالخالقش"
او که در مجموعه علماداں گرفتار آمده
'خواجه بوالعباس' با 'منصور' بوده هم رفیق
اندریں میدان عشقش یار با یار آمده
'شیخ هیکل' بود در بغداد شاگرد 'حلاج'
دست شست از زندگانی پس به سردار آمده
'صوفی شاه عنایت' در سواد سندھ بود
او هم از شمشیر عشقش بس نگونسار آمدہ
من کریمم من رحیمم 'شاه کرمل' دم زده
"آشکارا" من کیم او خود به اقرار آمده
(دیوان آشکار)

سچل کا مسلک

شمشیر الحیدری

سچل کا فلسفہ انسان کی قدیمی جستجو کا نچوڑ ہے۔ حق کی تلاش کے بعد یہ خود آگاہی انسان کی عظمت و معرفت کا فلسفہ ہے۔ جس کو سچل نے نہایت ہی آسان اور حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ آپ تصوف میں وحدت الوجود کے مسلک سے وابستہ، صاحبِ حال اور معرفت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بابصیرت عالم اور دانشور بھی ہیں۔ خدا، انسان اور کائنات کی کیا حقیقت ہے! آپ خود کو بار بار ان سوالات میں اُلجھا دیتے ہیں۔

اسين آهيون، چا اسين آهيون؟
ٻيلي نٽا جاڻون، چا اسين آهيون؟

ذري باران برساتيون، ذري برن ٽيون وڏيون باهيون،
ذري آرام آهي هن دل کي، ذري وهايون نيٽئون واهيون،

(یعنی، اے دوستو! ہم کیا ہیں؟ ہم یہ نہیں جانتے اتنا ضرور ہے کہ کبھی زور دار بارشیں ہوتی ہیں تو کبھی آگ کے طوفان اُٹھتے ہیں۔ کبھی دل کو آرام ملتا ہے تو کبھی آنکھوں سے آنسوؤں کی نہریں بہہ نکلتی ہے۔)

کائنات اور انسان کے درمیان ظاہر و باطن کے اسی تضاد پر غور کرتے ہوئے

سچل کو تمام بیرونی اشیاء اور مناظر کی کثرت کے پیچھے وہ باطنی اور بنیادی وحدت نظر آجاتی ہے۔ جس سے خالق و مخلوق اور ذات اور صفات کے حجاب کے تمام پردے دور ہو جاتے ہیں۔ سچل کی نگاہ اس قدر حقیقت شناس ہے کہ حجاب کے گہرے بادل بھی حقیقت کے سورج کو اس سے چھپا نہیں سکتے۔

مری آنکھوں نے اے یار و عجب اسرار دیکھا تھا
میانِ ابر اس خورشید کا دیدار دیکھا تھا

حجاب کے بادل چھٹ گئے تو سچل ہر جگہ وحدت کی تجلیات کا مشاہدہ کرنے لگے، اور تمام کائنات میں انہیں کہیں بھی دوئی کا وجود نظر نہیں آیا اور ان پر یہ راز افشا ہو گیا کہ ذات اور صفات، در اصل ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہیں۔ مزید یہ کہ دروں بیروں، مجھ میں اور آپ میں، ہر جگہ وہی ازلی نور موجود ہے، فرماتے ہیں۔

ذات صفات هڪائي آهي، پول نہ وجهين پولي،
سوئي اندر سوئي باهر - سوئي تنهنجي چولي،
تو ۾ مون ۾، هن ۾ هرجا، "سچو" سچ ٿو ٻولي،

(یعنی: آپ گمراہ نہ ہوں در اصل ذات اور صفات ایک ہی چیز ہے۔ اندر اور باہر بلکہ آپ کے جسم اور دامن میں وہی نور موجود ہے اور سچل کا یہ کہنا صحیح ہے کہ آپ میں، مجھ میں اُس میں، بلکہ ہر جگہ وہی حق کار فرما ہے۔)

معرفت کی اس منزل پر پہنچ کر سچل نے خود کو ہی محبوب اور مطلوب کی صورت میں دیکھا اور کہنے لگے۔

"اس میں کوئی گمان نہیں ہے کہ میں خود ہی پنہوں (محبوب) ہوں۔ لہٰذا اب میں خود سے ہی عشق کرنے لگا ہوں۔ مزید یہ کہ جب مجھ پر اپنی اصلیت کی حقیقت کھل گئی تو میرے لئے محبوب کو کسی دوسری جگہ تلاش کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔"

آج انسان چاند پر اپنے خیمے نصب کر رہا ہے۔ ہم اپنے ارد گرد کی بیرونی دنیا کی معلومات کے سلسلے میں ماضی کے تمام ادوار کو مات کر چکے ہیں۔ باوجود اس کے ہم نے اپنے

وجود کی دنیا کے علم کو نظر انداز کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ زمین ہر قسم کے مصائب، جنگ و جدل، نفرت اور ظلم اور خود غرضی کی آماجگاہ بن چکی ہے یہ سب کچھ کیوں ہے؟ جب کہ دنیا کے تمام مذاہب ایک ہی خدا، اور ایک ہی انسانی برادری کے دعویدار ہیں، تو پھر یہ گمراہی کیوں؟ دراصل فطرت کے قوانین صحیح ہیں غلطی ہمارے سینوں یا اندر کی ہے۔

انسان کیوں گمراہ ہو رہا ہے؟ اس کی وجہ سچل نے تلاش کر لی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ انسان مرئی اور خدا غیر مرئی ہے۔ انسان نظر آتا ہے، لیکن خدا نظر نہیں آتا، انسان کی ایک شکل و صورت ہے، لیکن خدا شکل، صورت سے آزاد ہے۔ مادہ نظر آتا ہے، لیکن روح نظر نہیں آتی، علاوہ ازیں مادہ کی صورتیں بھی ایک دوسرے سے مختلف اور نرالی ہیں، سچل اس پیچیدگی کا حل قدرت کے ہر ظاہری روپ میں دیکھتا ہے۔ وہ ساحل پر کھڑے ہو کر سمندر کا نظارا کرتے ہیں جہاں آب کی وسعت کے ساتھ قطرے اور بلبلے ہیں، چھینٹے اور لہریں ہیں، گرداب اور مدوجزر ہے، برف اور نمک ہے، اس پر غور و فکر کرتے ہیں کہ سمندر کی فطرت ہے لہریں پیدا کرنا لہروں کی فطرت ہے سمندر میں فنا ہو جانا۔ وہ خود کو لہر سے اور خدا کو سمندر سے تشبیہ دیتے ہیں جو تخلیق کا سرچشمہ ہے یہاں اس پر یہ راز افشا ہوتا ہے کہ سمندر لہروں سے الگ نہیں ہوتا اسی طرح لہریں بھی سمندر سے الگ کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ دراصل دونوں لازم و ملزوم ہیں، دونوں کی حقیقت ایک ہے، سوائے ان کی ظاہری صورت اور مقدار کے، البتہ ایک محدود اور کم تر ہے اور دوسرا لامحدود اور عظیم۔

سچل اس سے بھی بڑھ کر گہرائی میں جا پہنچا ہے۔ وہ یہ کہ سمندر پانی ہے جس کی کوئی تعیّن شدہ صورت نہیں ہے اور یہ صرف "مکان" کا ہی کرشمہ ہے جو آب کو تالاب کنویں، نہر اور دریا میں، یا پھر گھڑے، مٹکے یا پیالے کی صورت میں لاتا ہے، یہ سمندر کا پانی ہے جو مختلف اشکال اختیار کر لیتا ہے اور ہر شکل دوسری سے مختلف اور نرالی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود، پانی ہر صورت میں سمندر کے پانی ہی کی اصلیت رکھتا ہے۔

یہی حقیقت سچل کو پہاڑ اور ریت کی نسبت میں نظر آتی ہے، ریت کا ایک ذرہ زمیں کی تمام قوت اور اہمیت خود میں سمائے رکھتا ہے، دراصل پہاڑ اور ذرے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سوائے شکل اور مقدار کے۔

سچل اسی نقطہء نگاہ سے آسمان پر نظر ڈالتا ہے۔ خلا میں بادلوں کے لاتعداد روپ ہیں۔ لیکن اصل میں وہ تمام پانی ہی ہیں سورج کی تپش پانی کو بخارات میں تبدیل کرتی ہے۔ تبخرات خلا میں جا کر بادلوں کا روپ اختیار کرتے ہیں اور پھر وہی بادل پانی کی صورت میں برسنے لگتے ہیں۔

وہ برف پر بھی غور کرتے ہیں۔ برف منجمد شدہ پانی ہے۔ جو سورج کی تپش کی وجہ سے پگھل کر اپنے اصلی روپ میں آجاتی ہے۔ اس طرح ثابت ہوا کہ برف اور پانی کی اصلیت ایک ہی ہے۔

اشکال کی تبدیلی کی یہی حالت سچل بلبلے میں بھی دیکھتا ہے جو پانی ہی ہے اور دوبارہ پانی ہو جاتا ہے۔ اسی لحاظ سے سمندر، لہر، بلبلہ قطرہ، تبخرات، سب صورتوں کی اصلیت ایک ہی ہے، اور بنیادی طور پر سب پانی ہی ہیں۔ سچل سرمست نے ان حقائق کو اپنے کلام میں انتہائی وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

دراصل یہ وحدت کا وہ پیغام ہے جو کثرتِ انسانی کو اپنی اصلیت اور عظمت سے آگاہ کرتے ہوئے محبت و مساوات اور امن و انسانیت کی دعوت دیتا ہے فرماتے ہیں۔

پاڻ پنهنجو پاڻهي، صورت منجهه سچاڻ،
الله الله چو چوين، پاڻ ئي الله چاڻ،
ناهي شڪ گمان، "سچو" سائين هيڪڙو.

(یعنی، اے سالک! تم اپنے وجود پر غور کر کے اپنی حیثیت کو پہچانو۔ تم اللہ اللہ کیوں کہتے ہو، جب کہ تم وہی ہو۔ اور اس بات میں کسی شک و گمان کی گنجائش نہیں کہ "سچل" اور "خدا" کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

وحدت اور معرفت کی اس بلند ترین منزل پر پہنچنے کے بعد سچل اپنے ابتدائی زینے کو نہیں بھولتے۔ اور جس طرح وہ کثرت سے وحدت کو پہنچے ہیں، اسی طرح وہ وحدت سے کثرت کی طرف لوٹ کر اپنے معراج معرفت کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور بشریت کے زینے پر کھڑے ہو کر وہ محبوب حقیقی سے نہایت عاجزی اور نیازی سے یہ سوال کرتے ہیں، ننگڑا انمانی دا، جیویں تیویں پالنا۔

كتابن جي فهرست

ثقافت كاتو حكومت سنڌ

ثقافت کاتي حڪومت سنڌ پاران 2008ع کان 2012ع تائين
ڇپايل سنڌي، اردو ۽ انگريزي ڪتابن جو تفصيل

نمبر	ڪتاب جو نالو	مصنف/مرتب/مترجم	قيمت	سال
1	سپ رنگ	ڈاڪٽر نبي بخش خان بلوچ	250	2012
2	امر جليل جا ڪتاب جلد ٻيو	امر جليل	800	2012
3	شهيد محترمہ بينظير ڀٽو جا تاريخي انٽرويوز	پروفيسر اعجاز احمد قريشي	200	2012
	تم جيت گئيں ہم ہار گئے	پروفيسر سليم ميمڻ	300	2012
	Shaheed Mohtarma Benazier Bhutto	Prof. Aijaz A. Qureshi	350	2012
4	ڪي نہ وسرن مور	ڈاڪٽر سحر امداد حسيني	120	2012
5	سوويئٽ "لعل شهباز قلندر"	ڈاڪٽر محمد علي مانجهي ڈاڪٽر نواز علي شوق		2012
6	سنڌڙيءَ جو شهباز قلندر	آزاد انور ڪانڊڙو	200	2012
7	قلندر لعل سيوهاڻي	ڈاڪٽر نواز علي شوق	120	2012
8	الشهباز	جليل سيوهاڻي	150	2012
9	قلندر نامو	حڪيم فتح محمد سيوهاڻي	100	2012
10	تذڪره شهباز	ڈاڪٽر ميمڻ عبدالمجيد سنڌي	120	2012
11	شاهه عبداللطيف ڀٽائي پيغام جو موجوده حالت تي اطلاق	پروفيسر محمد سليم ميمڻ	250	2012
12	سنڌي شاعري جو اپياس	شمشيرالحيدري	150	2012
13	شاهه عبداللطيف ڀٽائي مقالا ۽ مضمون	ڈاڪٽر محمد علي مانجهي	600	2012
14	پنيور ۽ ديبل	عبدالقادر منگي	300	2012

15	شاھ عبداللطيف پٽائي جي دور ۾ تصوف جا سلسلا	ڈاڪٽر عابد مظهر	300	2012
16.	سنڌي کهاڻي	اسحاق انصاري	300	2012
17	فن ۽ فنڪار جلد ٻيو	ڪوثر پرڙو	300	2012
18	سپيتا جا سونهان	محمد حسين ڪاشف	200	2012
19	مون ۾ تون موجود	ڈاڪٽر محمد علي مانجهي	200	2012
20	سنڌ جا قديم آثار ۽ تاريخ	ڈاڪٽر محمد علي مانجهي	250	2012
21	رهاڻ هيرن کاڻ جلد نمبر 2	ڈاڪٽر نبي بخش خان بلوچ	850	2012
22	شاھ جو رسالو (مڪمل فُورِ ڪلر)	ڈاڪٽر نبي بخش خان بلوچ	1500	2012
23	وڪريل ورق	پروفيسر محمد سليم ميمڻ	350	2012
24	مقالاتِ عزيز	عزيز جعفراڻي	400	2012
25	فقير هدايت علي نجفي تارڪ جو سنڌي ڪلام	ڈاڪٽر نواز علي شوق	500	2012
26	شيخ اياز(شخصيت ۽ فن)	غلام سڪينا حميده قاضي	400	2012
27	امر جليل جا ڪتابَ جلد پهريون (1.دل جي دنيا ، 2. جڏهن مان نه هوندس، 3. تاريخ جو ڪفن، 4. منهنجو ڏس آسمان کان پڇو.)	امر جليل	600	2012
28	رهاڻ هيرن کاڻ جلد پهريون	ڈاڪٽر نبي بخش خان بلوچ	800	2012
29	فيض احمد فيض ۽ پاڪستاني ثقافت	امان الله شيخ	250	2012
30	فيض جا ايلس ڏانهن خط	شبنم موتي	250	2012
31	فيض سان رهاڻيون	پروفيسر محمد سليم ميمڻ	500	2012
32	راڳ نامون	ڈاڪٽر نبي بخش خان بلوچ	270	2012
33	ميزان (فيض احمد فيض)	ڈاڪٽر نواز علي شوق	240	2012
34	جهڙي سونهن سندياس	ڈاڪٽر محمد علي مانجهي	250/-	2012
35	اديون آءِ اجاڻ	ڈاڪٽر فهميده حسين	250/-	2012
36	شاھ سچل ۽ خليفو قاسم	محمد حسين ڪاشف	200/-	2012

37	شاھ عبداللطيف مدبر، معلم ۽ مھربان	ڈاڪٽر عبدالجبار جوٽيجو	150/-	2012
38	ڈاڪٽر نبي بخش خان بلوچ (شخصيت فن ۽ فڪر)	پروفيسر محمد سليم ميمڻ	250/-	2011
39	ڪلام ريجھ علي شاھ	پروفيسر منظور حسين کھڑو	250/-	2011
40	سنڌ هيرن کاڻ	رسول بخش درس	150/-	2011
41	قلندر صوفي ۽ ملامتي	ڈاڪٽر نواز علي شوق	150/-	2011
42	تذکره لال شهباز قلندر	انور ساگر کانڈڑو	150/-	2011
43	سچل سرمست ۽ ان جا همعصر شاعر	ڈاڪٽر مخمور بخاري	300/-	2011
44	سنڌي ڪلچر	غلام رباني آگرو	200/-	2011
45	سنڌي موسيقي جا سر تار	خليل الرحمان شيخ	200/-	2011
46	شاھ جي رسالي جي سجاڻي (جلد ٻيو)	محمد حسين ڪاشف	500/-	2011
47	سُر پورب	ڈاڪٽر محمد علي مانجھي	200/-	2011
48	ڪلامِ گروھڑي	ڈاڪٽر عمر بن محمد دائودپوٽو	500/-	2010
49	شيخ اياز نثر جلد پنجون	شيخ اياز	350/-	2010
50	سُر پرياتي	ڈاڪٽر محمد علي مانجھي	350/-	2010
51	شاھ جي رسالي جي سجاڻي (جلد ڇھريون)	محمد حسين ڪاشف	500/-	2010
52	شاھ جي شاعريءَ ۾ اسلامي قدر	ڈاڪٽر عبدالرحمان جسڪاڻي	600/-	2010
53	سومرا راج گھراڻو	ڈاڪٽر مھر عبدالحق سومرو	400/-	2010
54	قلندر لعل شهباز	ڈاڪٽر محمد علي مانجھي	200/-	2010
55	مان جي مئس پنڌ ۾	رکيل مورائي	500/-	2010
56	لاکو پير لطيف الله	پير محمد عالم قريشي صديقي	150/-	2010
57	شاھ لطيف الله قادريءَ جو ڪلام	ڈاڪٽر نبي بخش خان بلوچ	100/-	2010
58	استاد بُخاري – فن ۽ شخصيت	آزاد انور کانڈڑو	650/-	2010
59	محمد عثمان ڈيپلائي ۽ سنڌي سماج تي سندس اثر	ڈاڪٽر ثريا ساز ڈيپلائي	300/-	2010

نمبر	کتاب جو نالو	مصنف/مرتب/مترجم	قیمت	سال
60	ڳڻوانن جون ڳالهيون	قمرشهباز	300/-	2010
61	جج پرائي	قمرشهباز	450/-	2010
62	ننگر ٺٽو : هڪ مطالعو	ڊاڪٽر محمد علي مانجهي	250/-	2010
63	صوفي شاهه عنايت شهيد	ڊاڪٽر محمد علي مانجهي	600/-	2010
64	شيخ اياز جلد پنجون (چار ڪتاب) (1.اُپر چند پس پرين ، 2. هينئڙو ڏاڙهون٘ءَ گل جيئن، 3. الوداعي گيت، 4. نند ولیون)	شيخ اياز	750/-	2010
65	شيخ اياز جلد ڇهون (ٽي ڪتاب) (1.ڪتين ڪر موڙيا جڏهن جلد پهريون، ٻيو ٽيون)	شيخ اياز	1000/	2010
66	شيخ اياز جلد ستون (ٽي ڪتاب) (1.سر لوهيڑا ڀيپا ، 2. سُورج مُکي سانجهه، 3. چوليون ٻوليون سمند جون.)	شيخ اياز	1000/	2010
67	شيخ اياز جلد اٺون (چار ڪتاب) (1.جرڊيئا جهمڪن ، 2. هرڙ اکي ڪيڏانهن، 3. چند ڳليون، 4. تون چپر تون چانوَ)	شيخ اياز	700/	2010
68	شيخ اياز جلد نائون (پنج ڪتاب) (1.گهاٽ مٽان گهنگهور گهٽا ۾ ، 2. سامنجهي سمند سپون، 3. ڪونجون ڪُرڪن روهڙ تي، 4. ڪاري رات ڪُهنگ، 5. وڏا وڻ وٽڪار جا.)	شيخ اياز	600/-	2010
69	شيخ اياز جلد ڏهون (پنج ڪتاب) (1.اٽي اور الله سان ، 2. مينهن ڪٽيون، 3. اڪ جون ڦلڙيون، ٻيج ٻني ، 4. پکي ساڳي پار ج، 5. هي جي نهرون نند جون)	شيخ اياز	600/	2010

70	شيخ اياز جلد پهريون (نثر) (1.جي ڪاڪ ڪوريا ڪاپڙي، 2. ساهيوال جيل جي ڊائري، 3. ڪراچيءَ جا ڏينهن ۽ راتيون، 4. جڳ مڙيوئي سپنو)	شيخ اياز	_/730	2010
71	شيخ اياز جلد ٻيو (نثر) (1.ڏيئا ڏيئا لات اسان، 2. خط انٽرويو ۽ تقريرون جلد پهريون ٻيو 3. اڳتي قدم جا ايڊيٽوريم)	شيخ اياز	_/700	2010
72	شيخ اياز جلد ٽيون (نثر) 1.ڪٿي ته پڇبو ٽڪ مسافر جلد پهريون، ٻيو ٽيون ۽ چوٿون	شيخ اياز	/1000	2010
73	شيخ اياز جلد چوٿون (نثر) 1.شيخ اياز ۽ صحافت	شيخ اياز	_/500	2010
74	شاھ جو رسالو	ڈاڪٽر نبي بخش خان بلوچ	_/500	2009
75	سر آسا	ڈاڪٽر محمد علي مانجهي	_/250	2009
76	بيت نہ پر آيتون	ڈاڪٽر عزيز الرحمان ٻگهيو	_/250	2009
77	شيخ اياز جلد ٽيون (پنج ڪتاب) (1.ڀڙيو سج لکن ۾، 2. پن ڇڻ پڃاڻان، 3. چند چنبيليءَ ول، 4. رڻ تي رمجهر، 5. پگهت سنگهه ڦاسي)	شيخ اياز	_/500	2009
87	شيخ اياز جلد چوٿون (پنج ڪتاب) (1.راڄ گهاٽ تي چند، 2. ٻڙ جي ڇانوَ اڳي ڪان گهاٽي، 3. اَڪن نيرا ڦُليا، 4. جهڙ نيڻان نہ لهي 5. سُر نارائڻ شيام)	شيخ اياز	_/500	2009
79	سراج السالڪين	رسول بخش تميمي	_/150	2009
80	سنڌ جو سرمست	رڪيل مورائي	_/300	2009
81	ڪوهستان جو سفر	بدر ابڙو	_/400	2009
82	سنڌ صدين ڪان	ممتاز مرزا	_/400	2009

83	خيرپور جي ميرن جو ادب، سياست ۽ ثقافت ۾ حصو	ڈاڪٽر عطا محمد حامي	600/-	2009
84	شاھ ڪريم بلڙيءَ واري جو ڪلام	ڈاڪٽر عمر بن محمد دائودپوٽو	100/-	2008
85	رسالو ميان سچل فقير جو	مرزا علي قلي بيگ	800/-	2008
86	شيخ اياز جلد ٻيو (چار ڪتاب) (1. ڪپر ٽو ڪُن ڪري، 2.پٽڻ ٽو پور ڪري، 3.ٽڪرا ٽٽل صليب جا، 4. واٽون قُلن چانئيون)	شيخ اياز	500/-	2008
87	شيخ اياز جلد پهريون (چار ڪتاب) (1.پوئنر پري آڪاس، 2.ڪلهي پاتر ڪينرو، 3.ڪي جو بيجل ٻوليو، 4.وجون وسڻ آئيون)	شيخ اياز	500/-	2008
88	نندي ڪنڊ ۾ ڊرامي جي تاريخ	غلام حيدر صديقي	200/-	2008
89	سنڌوءَ جا گيت	ڈاڪٽر ڪمال جامڑو	300/-	2008
90	شاھ جو رسالو	ڈاڪٽر ارنيسٽ ٽرمپ	400/-	2008
91	سُر ڪيڏارو	منظور احمد قناصرو	250/-	2008

نمبر	کتابوں کی نام	مصنف/مرتب/مترجم	قیمت	سال
1	سندھ میں اردو شاعری	ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ	350	2012
2	خطوط ڈاکٹر نبی بخش بلوچ	محمد راشد شیخ	250/-	2012
3	محمد ابراہیم جویو ایک صدی کی آواز	سید مظہر جمیل	750/-	2012
4	دشت وجود کی مسافت	آغا سلیم	250/-	2012
5	آئینہ خانہء شاہ لطیف	ڈاکٹر طاہر تونسوی	200/-	2010
6	حلقہ مری زنجیر کا	شیخ ایاز	800/-	2010
7	بوئے گل نالہء دل	شیخ ایاز	500/-	2010
8	دنیا ساری خواب	شیخ ایاز	650/-	2010
9	اے آہو چشم کدھر	شیخ ایاز	400/-	2010
10	سچل سچ ہے سارا	آغا سلیم	300/-	2010
11	سندھ ایک عام جائزہ	مظہر یوسف	400/-	2010
12	بھٹو کا تصور پاکستان	نصرت لاشاری	350/-	2009
13	شاہ جو رسالو	شیخ ایاز	650/-	2009
14	سچل سرمست، تاریخ، تصوف اور شاعری	ڈاکٹر نواز علی شوق	150/-	2009
15	سکھر تاریخ و تمدن	ڈاکٹر عبدالواحد اندھڑ	400/-	2008

Sr. No	Name of Books	Writer	Rate	Year
1	Musical Instruments of the Lower Indus Valley of Sindh	Dr. Nabi Bux Khan Baloch	200/-	2012
2	Alexander's Conquest of Indus Valley	Agha Saleem	400/-	2012
3	Lake Manchar	Taj Muhammad Sahrai	200/-	2012
4	Dr. G.M Mehkri on Sindh Articles	Muhammad Ibrahim Joyo	350/-	2012
5	Hazrat Shanshah Lal Shabza Qalandar	Syed Dinal Shah Darbelvy	400/-	2012
6	Mohen Jo Daro the Indus civilization	Jahn Marshall	3000/-	2012
7	Selection from the Risalo	G. A Allana	150/-	2012
8	Sufism & Classical Sindhi Poetry	Saleem Noorhassan	150/-	2012
9	Anecdotes of Vataayo Faqeer	Saleem Noorhassan	200/-	2012
10	6Thousands years of History of Irrigation of Sindh	M.H.Panhwar	800/-	2011
11	The Epic of Dodo Chaneiser	Saleem Noorhassan	300/-	2011
12	Handicrafts of Sindh	Waheeda Khizir Qazi	180/-	2010
13	Sindhi Society & Culture	Prof.Dr.Ghulam Ali Alana	1600/-	2010
14	Life & Thought of Shah Latif Bhitai	Gul Mohammad Umrani	200/-	2010
15	Songs Of Freedom	Shaikh Ayaz	500/-	2010
16	Melodies of SALB, V-IV	Agha Saleem	400/-	2009
17	Shah Jo Risalo in Arabic & English	Faiz Mohammd Khoso	300/-	2009
18	Shah,Sachal,Sami	Mohd.Ibrahim Joyo	200/-	2009
19	Darazi School of Sufi Thought	Dr.Sakhi Qabool Mohammad Farooqi	400/-	2009
20	Melodies of SALB, V-III	Agha Saleem	500/-	2008
21	History of Sindhi Literature	Shaikh Aziz	250/-	2008

CULTURE DEPARTMENT
GOVERNMENT OF SINDH